الجزائر کا حوصلہ اور قوت پہلے سے ہزار چند زیادہ بڑھ گئی۔ مگر اہل اسپین اسپر بھی اپنی ناعاقبت اندیشی، بدسلیقگی۔ اور سوءتدبیری کے معترف نہوے۔ چنانچہ ایڈمرل جورین ڈی لا نے اِس ایلغار کے کوائف لکھتے وقت آخر پر ایک چبھتا ہوا ریمارک کیا ہی یہ کہ "افریقیہ (ساحل الجزائر) کی آب وہوا شجاعانہ کاموں کے لئے موزوں نہیں"۔

ساتواں باب

امیر البحر طرغد پاشا۔ ٹیونس پر ایلغار۔ طرابلس کی فتح۔ یورپ کی یورش

طرغد کی زندگی کے ابتدائی حالات

طرغد پاشا تاریخانہ واقعات کی ترتیب کے لحاظ سے تو حسن آغا کے بعد ہے لیکن بلحاظ پولیٹکل شہرت خود خیر الدین کا ہم پلہ تھا۔ یہ شخص اصل میں قرمانیہ کے ایک معزز عیسائی زمیندار کا بیٹا تھا۔ مگر طبعًا دلیر اور جنگجو ہونے کی وجہ سے اُس نے ابتدائی عمر میں ایک ترکی جہاز پر ملازمت کر لی۔ اور فن سپہگری اور جہازرانی میں بہت جلد مشاق ہو گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ملازمت سے مستعفی ہو کر اور ایک چھوٹا سا جہاز خرید کر لیوانٹ میں قزاقی کرنے لگا۔ اس قطعۂ آب میں اَور قزاق بھی تھے طرغد نے بہت جلد اِن سب میں اسقدر امتیاز حاصل کیا کہ قریبًا بیس قزاقوں نے اُسکو اپنا سردار بنا لیا۔ اِسی اثناء میں خیر الدین نے اِسکی جرأت و دلیری کا شہرہ سُن کر اُسکو الجزائر میں طلب کیا اور بڑی عزت سے پیش آیا۔ چونکہ جزائر قرب و جوار میں جزیرہ نمائے اسپین کے سواحل کے نشیب و فراز سے کماحقہ واقفیت رکھتا تھا اسلئے خیر الدین نے اُسکو ایک چھوٹے سے بیڑے کا جسمیں بارہ جہاز تھے کپتان مقرر کر کے اُندلسیوں کی خلاصی پر لگا دیا۔ اُسوقت سے سنہ ۱۵۳۰ء تک اُسنے اسپین کے علاوہ نیپلز اور سسلی پر متواتر ترکتازیاں کیں اور ایسا رعب جمایا کہ اٹلی اور اسپین کے درمیانی قطعۂ آب میں کسی مخالف جہاز کیلئے "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کا مضمون[1] تھا۔ اگر کبھی اُسکو

---

[1] مارگن صفحہ ۳۳۴

اتفاقیہ سمندر میں کوئی شکار نہ ملتا تو سرزمین قرب وجوار میں سخت غارتگری پھیلاتا۔ اور تمام دیہات واقع سواحل کو لوٹ کر ہزاروں کو گرفتار کرتا۔ ایک مرتبہ ۱۵۴۰ء میں اُس نے

طرغد کا حملہ

حسب عادت جزیرہ کورسیکا پر چھاپہ مارا۔ یورپ کا نامی قزاق امیر البحر ڈوریا شکار کی تلاش میں یہاں پہلے سے منڈلا رہا تھا۔ چنانچہ دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک سخت کشمکش کے

قید

بعد نوآموز قزاق کو تجربہ کار قزاق سے شکست کھاکر رسم جنگ کے بموجب حلقہ بگوش ہونا پڑا ایک روز ڈوریا کے ایک سردار لاویٹا نے جو پہلے کبھی خیر الدین کے جہاز پر حلقہ بگوش ملاح ہونے کی عزت حاصل کر چکا تھا طرغد کو پابزنجیر بلی ہاتھ میں لئے دیکھا۔ اور پہچان کر

ایک لطیفہ

بولا "طرغد رئیس! رسم جنگ یہی ہے"۔ طرغد نے نہایت کشادہ پیشانی سے اسکی حالت ماقبل کی یاددہانی کے طریق پر جواب دیا "ہاں جناب! بیشک میں نے اور آپ نے صرف قسمتیں بدل لی ہیں"۔ یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جبکہ خیر الدین ترکی امیر البحر ہونے کی حیثیت سے بحیرہ اڈریاٹک میں تیغ و سپر تھا۔ آخرکار ۱۵۴۳ء میں جب کپتان پاشا نے ڈوریا کو یہ دھمکی

رہائی

دی کہ اگر تم طرغد کو رہا نکرو گے تو میں جنیوا کا نام و نشان تک مٹا دونگا۔ تب اُسکو قید سے مخلصی ملی۔ خیر الدین نے اسکو الجزائر کے صیغۂ حربیہ کا انتظام سپرد کر کے مغربی بحیرۂ روم کی حکومت پر متعین کر دیا۔ قید کی نا برداشتنی اذیتوں سے اُسکی آتش انتقام دُگنی تیزی سے بھڑک اُٹھی۔ اُسنے اطراف و جوانب میں ترکتازیاں شروع کر دیں خصوصاً سواحل اٹلی کو

طرغد کا رعب

اسقدر نقصان پہنچایا کہ شاید اُن اطراف میں اُسکا نام قریب قریب ہی ہیبتناک اثر رکھتا تھا جو شیر دل صلاح الدین (سالاڈین) کا نام شمال مغربی یورپ میں۔ فرنگی جہازوں

کے لئے بحیرہ روم کے تمام مغربی حصوں پر گویا قفل پڑ گئے تھے۔ یہاں تک کہ مجاہدین مالٹا ہر چند کہ سفاکانہ غارتگری میں بربری کورسیر سے کم رعب نہ رکھتے تھے۔ بلکہ ٹریپولی پر قابض ہوکر تو وہ ہر طرح اپنے حریفوں کے ہم پلہ ہوگئے تھے۔ لیکن انکی بھی تاب مجال نہ تھی کہ ان مغربی قطعہ آب سے بلا تکلف گزر جائیں۔ جیساکہ حاجی خلیفہ (ترکی مورخ) لکھتا ہے۔ طرغد درحقیقت "شمشیر برہنہ" تھا۔ جب کوئی مخالف جہاز اُسکے بیڑے کو دیکھ لیتا تو اہل جہاز کے سامنے گویا تصویر مرگ پھر جاتی تھی[۱]

طرغد کی فتوحات

طرغد جسطرح تاخت وتاراج میں مشاق تھا۔ اُسیطرح ملکی دارو گیر کا شائق بھی تھا چنانچہ اُسنے اسپین کے تمام مقبوضات واقع سواحل بربر ایک ایک کرکے فتح کئے۔ مثلاً سوسہ۔ سفاکس۔ مناسطر وغیرہ۔ اور آخر پر ٹیونس کی طرف متوجہ ہوا جو ابھی تک کیتھلک گورنمنٹ کی "حالاکشیدہ ند" میں تھا۔

ٹیونس کی پولٹیکل حالت

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ ٹیونس کا ستون سلطنت مرکز ثقل سے جنبش کرچکا تھا۔ سلطان حمید ابن سلطان حسن کا مبارک اور قابل قدر جلوس ہر چند کہ قیروان کی مرضی سے عمل میں آیا تھا۔ مگر اُس مادہ کو منتشر نہ کرسکا۔ جسنے ملک میں جابجا ناسور پیدا کردیے تھے چنانچہ تمام صوبوں میں بدنظمیاں پھیلی تھیں۔ ہر طرف طوائف الملوکی کی گھنگھور گھٹا چھائی تھی۔ آخرکار قوم کے سربرآوردہ ارکین نے حمید کو تخت سے برطرف کرکے بطور کونسل خود عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ مگر اس تدبیر سے اور تفرقہ پڑگیا۔ کیونکہ ممبران کونسل نے

[۱] لین پول صفحہ ۱۴۸

اپنے اپنے جتھے قائم کرلئے جو ہمیشہ ایک دوسرے کے درپے تخریب رہتے تھے۔ اور باہمی سشکر کشیوں میں قومی خون بیدریغ بہاتے تھے۔

ٹیونس کی پولیٹکل سٹیٹ کی یہ حالت تھی جبکہ ۱۵۵۰ء میں طرغد پاشا ایک ترکی بیڑے کی کمان لیکر اسطرف بڑھا۔ بیرونی قلعوں اور محافظ چوکیوں نے گو مزاحمت کی مگر اولوالعزم کپتان نے دلیرانہ حلق الودیہ میں داخل ہوکر عین دروازہ کے مقابل لنگر ڈالدیا اور محاصرہ کی کارروائی شروع کردی۔ روڈس کیطرح یہاں بھی ایک دل شکستہ سردار نے جو گروہی مخالفت کے جوش میں مبہوت تھا۔ حملہ آورین کی رہبری کی۔ اور طرغد کو ایک جری دستہ سمیت رات کے وقت شہر پناہ میں داخل کردیا۔ اُنھوں نے اندر داخل ہوکر شہر کا دروازہ کھول دیا۔ اور تمام کوچہ و بازار میں پھیل گئے۔ اہل شہر نے خوابگاہوں سے نکلکر دیکھا تو یہ دیکھا کہ فصیل و بروج قلعہ پر سرخ سفید ہلالی جھنڈے نصب ہیں۔

ٹیونس کی فتح

ہر چند کہ اسوقت یورپ کی کوئی سلطنت دربار ٹیونس میں ہمسرانہ اور مساوی حقوق سے زیادہ کسی قسم کا حق نرکھتی تھی۔ اور اس لحاظ سے ٹیونس کا ہلال کے سایہ عاطفت میں آنا۔ یا خودمختار رہنا۔ دول یورپ کے لئے اُسوقت تک یکساں اثر رکھتا تھا جبتک کہ ٹیونس کے فرمانروا اور رعایا (عام اس سے کہ عزل و نصب اور انقلاب سلطنت ہو یا نہو) کسی ایسے جدید فعل مذموم کے مرتکب نہوتے جو اُنکی ہمسایہ مسیحی قوموں کے امن عامہ کو یقیناً آشفتہ کرتا اور تمام مسیحی دنیا میں قولاً و فعلاً نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ مگر بانیہمہ اس جدید تسخیر کی خبر سے اسپین کی ستعار عربی شجاعت میں بے طرح طغیانی پیدا ہوئی اور تمام جنوبی

یورپ کی بلاوجہ مداخلت

یورپ اپنی قدیم عادت کے موافق متفق ہوکر ایلغار کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ کیونکہ ٹیونس پر ترکوں کا قبضہ اور پھر طرغد جیسے مشہور غارتگر کی وساطت سے۔ نہ صرف ناگوار بلکہ سخت تلخ تھا حالانکہ خود گورنمنٹ اسپین ٹریپولی پر غارتگران مالٹا کے ذریعہ سے قابض تھی۔ اور انڈریا ڈوریا کو جو کچھ کم بے اصول قزاق نہ تھا۔ ہر طرح کی جرأت دلاتی تھی۔ حملہ کی تجویز سوچنے والوں میں ڈن گارشیا ڈی ٹولیڈو نواب طلیطلہ سب سے زیادہ سرگرم تھا۔ کیونکہ ایک طرف قدسی نفس پوپ آو روم نے مع اپنی عقیدتمند سلطنتوں کے امداد کا وعدہ کیا تھا اور دوسری طرف خود ڈن گارشیا کے باپ حاکم نیپلز نے اعانت کا یقین دلایا تھا۔ ایک طول طویل بحث اور ردّ وقدح کے بعد بالآخر ۲۸۔ جون ۱۵۵۰ء کو جنوبی یورپ کی تمام بحری اور برّی فوجیں انڈریا ڈوریا کے ماتحت ٹیونس پر جھک پڑیں۔ طرغد اسوقت بحیرۂ روم کا سالانہ دورہ کر رہا تھا۔ اور اُسکا ہونہار بھتیجا حصار رئیس نو مفتوحہ صوبہ کا نظم و نسق کرتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسی قلیل مدت میں شہر کی قلعہ بندی اور استحکام کی تکمیل نہو سکتی تھی۔ خصوصًا اسدرجہ تک کہ ایک لشکر مور و ملخ کے حملہ کو سہہ سکتا۔ نیز محصورین کی فوجی قوت بھی کچھ زیادہ قابل اعتماد نہ تھی۔ تاہم ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد جب انھوں نے ایک مرتبہ شہر سے نکلکر ہلہ کیا تو محاصرین الٹکو سخت نقصان اٹھائے بدون پسپا کرسکے اس اثنا میں طرغد نے واپس آکر ترکوں اور بربریوں کے ایک مختصر دستہ سے دوسرا حملہ کیا۔ مگر دشمن کی قوت بہت زیادہ تھی اسلئے وہ خود قسطنطنیہ کے ارادہ سے واپس جربہ ہوا۔ اور شہر نے چار ماہ بعد ۱۰۔ ستمبر کو دروازہ کھولدیا۔

ماہ آیندہ میں طرغد نے بیس جنگی جہازوں سمیت قسطنطنیہ سے معاودت کی۔ وہ ابھی رود بار جربہ میں اپنے بیڑے کو ترتیب ہی دے رہا تھا کہ انڈریا ڈوریا نے جو ابھی تک ٹیونس میں مقیم تھا خبر پاکر اُسکو دفعۃً آن لیا۔ یہ قطعہ آب بالکل ایک مسدود کوچہ کے مشابہ تھا۔ یعنے جیسا کہ مقدمہ میں بیان کیا گیا ہے جزیرہ نما جربہ کی پشت پر ایک بڑی وسیع جھیل بطور اندرونی بحیرہ واقع ہے۔ جسکو سرطاس کبری دگر یٹر سرٹینز کہتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اسمیں جہازات قدرتاً داخل ہو سکتے تھے اور نہ نکل سکتے تھے مگر جھیل اور جزیرہ نما کے درمیانی قطعۂ خشکی میں شمالی سمت پر سمندر کے پرزور تلاطم امواج سے ایک تنگ رودبار بطور نہر بنگئی ہے۔ جس سے ہلکی ہلکی جہاز نما کشتیاں بادبان سمیٹ کر بدقت جھیل میں آجاسکتی ہیں۔ جنوبی سمت پر بھی اگرچہ ایک ایسا ہی مدخل ہوسکتا تھا۔ مگر اسوقت اُسمیں بالکل دلدل تھی۔ اب طرغد اس مصنوعی نہر میں تھا جبکہ ڈوریا نے اچانک پہنچکر اُسکے دروازہ پر لنگر ڈالدیا۔ اور اطمینان کے ساتھ بربری بیڑے کی ستمندانہ درخواست صلح کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن طرغد بھی کوئی معمولی جہازراں یا سواحل بربر کے نشیب و فراز سے ناواقف نہ تھا۔ اُسنے اس حالت ششدر کی جس کو ڈوریا اپنے ذہن میں آخری کشت اور مات سمجھتا تھا۔ ذرا بھی پرواہ نکی اور ایک ایسی نازک چال چلا کہ یورپ کا فرسودہ روزگار امیر البحر حیران رہگیا۔ یعنے اول اس آبنائے کے کنارے پر دمدمے باندھکر دلیرانہ گولہ باری شروع کردی۔ اور جب یورپین بیڑا ہمہ تن اسطرف مصروف ہوگیا تو جھٹ پٹ کوئی دو ہزار قلی بالا بالا جزیرہ سے بلوا کر درمیانی

قلعہ کے جنوبی حصہ کو جسمیں سراپا دلدل تھی اس پھرتی سے کھدواڈالا کہ صرف ایک رات میں یہاں بھی ایک تنگ نہر بطور مخرج جاری ہوگئی۔ صبح ہوتے بربری بیڑا خیر و سلامتی سے بحیرۂ روم کی نیلگوں سطح پر جا جما۔ ڈوریا جو اپنی کامیابی آیندہ پر تیقن و نازاں ہوکر چارلس کو نوید فتح بھیج چکا تھا اُسکو اس چال کی خبر ہوئی تو اُسوقت جبکہ طرغد آر کے پیلیگو کے لئے لنگر اُٹھا چکا تھا۔

اگلے برس ۱۵۵۱ء میں صاحبقران نے اُسکو بمعیت صنعان پاشا ترکی بیڑے کا امیر البحر مقرر کردیا۔ خیر الدین کیطرح طرغد کو بھی خواہش تھی کہ درو بست سواحل بربر کو بابعالی کے مضافات میں داخل کرے۔ اور اگرچہ اسپین کے اکثر ضروری مقبوضات واقع ساحل مذکور کو فتح کرکے اُسنے اپنی خواہش کو کسیقدر پورا بھی کیا۔ لیکن چند اَور ضروری مقامات ہنوز باقی تھے۔ انمیں دو کی نہایت ہی ضرورت تھی۔ ایک تو ٹیونس جسپر سال گزشتہ کے موسم بہار میں فوجکشی کرکے وہ فی الجملہ ناکام ہوچکا تھا اور دوسرا ٹریپولی (طرابلس) جو سب سے پہلی بندرگاہ۔ نہایت مستحکم قلعہ بند شہر۔ اور مغربی بحیرہ روم سے گزرنے والوں کیلئے ساحل بربر کا گویا مشرقی دروازہ تھا۔ چنانچہ اس جدید عہدہ پر متمکن ہوکر اُسنے بابعالی کو اس طرف توجہ دلائی۔ اور بحصول اجازت ایک مضبوط بیڑے کے ساتھ جسمیں چھ ہزار ترک اور چالیس ضرب توپ تھیں بمعیت صنعان پاشا ٹریپولی کیلئے لنگر اُٹھایا۔

ٹریپولی اصل میں اسلامی مقبوضات میں سے تھا۔ مگر ۱۵۱۰ء میں اہل اسپین نے اُسکو بسر داری کونٹ ڈون پڈرو نا وار و فتح کرکے مضافات کا رڈوا میں داخل

کر دیا تھا۔ تاہم کیتھلک گورنمنٹ اِس موزوں جنگی مقام کی کبھی قدر نکر سکی۔ یا بوجہ بُعد اُسکے تحفظ سے قاصر رہی۔ تا آنکہ جب ۱۵۲۲ء میں مجاہدین بیت المقدس نے سیف عثمانی کے زور سے روڈس کو خالی کیا۔ اور آٹھ برس اِدھر اُدھر خانہ بدوش منڈلانیکے بعد ۱۵۳۰ء میں جزیرہ مالٹا کو مامن غارتگری بنایا۔ تو چارلس نے سہل انکاری سے یا بغرض اظہار اختصاص واحدیت ٹریپولی کو نفع نقصان اور آمد و خرچ سمیت مجاہدین کو تفویض کر دیا تھا۔ اُسوقت سے آجتک یہ مقام مجاہدین کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ اور آٹھوں فرقوں میں سے ہر فرقہ کا ایک ایک مجاہد باری باری آکر اُسکا نظم و نسق کرتا تھا۔ چنانچہ جسوقت ترکی بیڑے نے محاصرہ کیا تو ٹریپولی کا گورنر گسپارڈی ویلر نامی ایک مجاہد فرقہ ایورین سے تھا۔ طرغد نے حسب معمول اُسکو شہر خالی اور سپرد کر دینے کا پیام دیا۔ اور جب صاف جواب ملا تو باقاعدہ محاصرہ شروع کر دیا۔ دمدموں اور سدوں کا انتظام صنعان پاشا کے سپرد تھا۔ اُسنے بڑی کاردانی سے گولہ باری کی۔ جس سے ہفتہ بھر میں فصیلیں پاش پاش ہو گئیں۔ ویلر نے چند روز اور مالٹا کی کمک کا انتظار کر کے صلح کا پیام دیا۔ چنانچہ ۱۵۔ اگست ۱۵۵۱ء کو محصورین نے اپنے آپ کو ترکوں کے سپرد کر دیا۔ مجاہدین سے اِس موقع پر بھی وہی حُسن سلوک کیا جاتا۔ جو انتیس ۲۹ برس ہوئے کہ صاحبقران نے ۱۵۲۲ء میں روڈس کی فتح پر کیا تھا مگر بحیرۂ روم میں سالہا سال جہازرانی کر کے طرغد اور صنعان اِس احسان فراموش اور ناقدرشناس گروہ کی تشدد پسند عادت سے خوب واقف ہو چکے تھے۔ پس مالٹا والوں کو عبرت دلانیکے لئے ٹریپولی کے محصورین سے رسم جنگ کے موافق سلوک کیا گیا اور سب کو

ٹریپولی طرابلس بار بی

اتمام حجت

محاصرہ

صلح

مجاہدین کے ساتھ باضابطہ سلوک

پابزنجیر وحلقہ بگوش کرکے صنعان پاشا کے ساتھ بطور علامات فتح قسطنطنیہ کو روانہ کردیا اور طرغد خود مقام مفتوحہ کی ناکہ بندی اور استحکام کی غرض سے ٹھہر گیا۔ کیونکہ اُسکو پختہ امید تھی کہ دول یورپ جلد یا بدیر بالضرور حملہ کرینگی۔

اِس معرکہ سے مجاہدین کو خصوصاً اور اہل یورپ کو عموماً سخت نقصان پہنچا

مقدمۃ الجیش

کیونکہ ٹریپولی غارتگران مالٹا کا افریقہ میں اوٹ پوسٹ (بیرونی چوکی) تھا۔ اور غارتگران مالٹا اسلامی دنیا میں دول یورپ کا مقدمۃ الجیش تھا۔

چنانچہ نو برس کامل یورپ اس نقصان عظیم کی تلافی نکر سکا۔ اس عرصہ میں بربری جہازات کبھی صنعان پاشا کی کمان میں اور کبھی پیالی پاشا کی سرکردگی میں۔ مگر ہمیشہ طرغد پاشا کی رہنمائی سے سواحل اٹلی پر خاص روم کی حوالی میں بلاے بیدرماں کیطرح ہر سال نازل رہتے تھے۔ کلیبریا۔ اپولیا۔ اکثر زد پر رہتا تھا۔ اور جیسا کہ ایک یورپین وقائع نگار قرن وسطی کے یورپ کو معائب غارتگری سے پاک فرض کرکے جوش ہمدردی میں لکھتا ہے۔ فی الحقیقت "اِن صوبوں کا حُسن وشباب۔ دولت وثروت افریقی دیوتاؤں کو بالطبع مرغوب تھی"۔ آخر کار پوپ پیس چہارم کے سحر آفرین سرمن (خطبوں) سے یورپ کی

پوپ کے سحر آفرین خطبے

عرقی شجاعت کو حرکت

غیور عرق شجاعت کو ۱۵۵۹ء میں یکایک حرکت ہوئی۔ اور تمام جنوبی طاقتیں جنیوا فلورنس۔ سسلی۔ نیپلز۔ اسپین۔ اٹلی۔ اور خود روم مقدس متفق ہو کر ٹریپولی کو چھین لینے پر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ چنانچہ اوائل فروری میں زائد از دو صد جنگی جہاز اور ایک کثیر التعداد جرار

یورپ کی یورش

فوج ہر طرف سے آکر آبنائے میسینا میں جمع ہوئی۔ اور یہاں سے ۱۰ فروری تک

ڈیوک ڈی میڈیناسلی کی کمان میں طوفان جارپس کیطرح ساحل افریقیہ پر جھکی۔ ڈیوک موصوف نے
ٹریپولی کو چھوڑکر اول جربہ کو لیا جو بربریوں کا ہیڈکوارٹر اور ٹریپولی کی کنجی تھا۔ یہاں کے عامل
نے جو ایک عربی شیخ تھا حملہ آورین کی قوت دیکھکر فی الفور اطاعت قبول کرلی چنانچہ

جربہ کا محاصرہ

مسیحی فوجیں اطمینان کے ساتھ جزیرہ نما میں اُترکر دو ماہ تک مقیم رہیں۔ اور اس عرصہ میں
ایک مستحکم جنگی قلعہ بطور ہیڈکوارٹر تعمیر کرکے اور شہر کی ناکہ بندی سے ہر طرح فارغ ہو کر
اس بات پر آمادہ ہوئیں کہ غیر ضروری حصّہ فوج یورپ کو واپس کیا جائے۔

ہلال کو جنبش

اِدھر جب اس عالمگیر یورش کی خبر قسطنطنیہ پہنچی تو صاحبقران نے غضبناک ہوکر ایک عظیم الشان

طرغد اور علی العلوجی

ترکی بیڑا بسرداری طرغد پاشا۔ اوچیالی (علی العلوج) پاشا۔ پیالی پاشا اوائل مئی میں ٹریپولی
کی حفاظت کیلئے روانہ کیا۔ یورپین مورخ اس موقع پر یگانہ وار افسوس کرتے ہیں کہ ڈیوک

یورپین مورخوں کا تاسف

میڈیناسلی نے جربہ کی اقامت کو قلعہ بندی اور استحکام شہر کے غیر ضروری عذر (!) پر
کیوں اسقدر طوالت دی۔ اور کیوں خواہی مخواہی سمجھ لیا کہ ترک ہمیشہ مئی کے بعد ہی بحری
سفر شروع کیا کرتے ہیں۔ جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ جب مسیحی فوجیں ناکہ بندی سے حسب دلخواہ

مسیحی ہیڈکوارٹر میں تہلکہ

فارغ ہوکر معاودت پر طیار ہوتیں تو دفعتًہ اطلاع کی کہ ترکی بیڑا غازہ (گوزہ) کے قریب
لنگر انداز ہے۔ اس سے تمام ہیڈکوارٹر میں ایک تہلکہ مچگیا۔ دلاوران یورپ کے جی چھوٹ
گئے۔ نہ شجاعوں نے اپنی شجاعت خانہ زاد کا لحاظ کیا۔ نہ فوجی قوت کے اثر اور تعداد کا پاس کیا

ترک آن پہنچے!

ہر شخص کی زبان پر بجز اسکے کچھ نہ تھا کہ بربری آن پہنچے! ترک آن پہنچے! ایک طرف

بزدلانہ سراسیمگی

اولوالعزم ڈوریا بزدلانہ سراسیمگی سے اپنے جنیوا دستہ کو اناپ شناپ جہازوں میں

غازیانہ تمکنت

بھرتا تھا۔ دوسری طرف ڈیوک میڈیناسلی جلد جلد مگر کسیقدر تمکنت اور غازیانہ ادا سے

پرچم ہلال

اپنے شجاعت کے پتلوں کو سوار کراتا تھا۔ اِسی حالت کشمکش میں یکایک پرچم ہلال افق پر نمودار ہوا مسیحیوں کے سنبھلتے سنبھلتے ہلالی جہازوں نے آناً فاناً قریب پہنچکر اس تندی سے حملہ کیا کہ کیتھلک تسبیح کے تمام دانے بکھر گئے۔ بیڑے کا ہر جہاز آپ آپ کو تھا۔ اور

رودبار جربہ کا خونریز معرکہ

رودبار جربہ کے شمال سے گزر جانے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر بربری جا بجا سد راہ تھے بالآخر تمام جہازوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر کنارہ پر لایا گیا۔ مگر چونکہ کنارے کے قریب عمق بہت کم تھا اسلئے گیلے اور گیلون ریت میں دھنسکر بالکل نکمے ہوگئے پیچھے سے بربری نہایت تیزی سے دبائے چلے آتے تھے۔ اب افواج متحدہ نے بجز اسکے اور کسی بات میں مفر نہ دیکھا کہ افتاں وخیزاں خشکی پر اُترکر تیغ و سپر کی آڑ لیں۔ چنانچہ ترکوں اور بربریوں نے قریب ساٹھ خالی جہاز گرفتار کئے اور پھر شمشیر بکف کنارے پر اُترکے اہل جہاز پر ٹوٹ پڑے۔ پرجوش فریقین میں پانچ گھنٹے تک سخت ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ مسیحیوں نے بڑھ بڑھکر داد مردانگی دی۔ خصوصاً مجاہدین مالٹا نے اسقدر گرانی سے

کشمکش جانفروشی

نقد جانفروشی کی کہ بربریوں اور ترکوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ بالآخر ہلال غالب رہا اور دشمن کے اٹھارہ ہزار آدمی کھیت رہے جنکے خون سے ساحل پر ایک دوسرا رود بار جاری ہوگیا۔ ڈوریا اور میڈیناسلی لڑائی کا رنگ دیکھکر پہلے ہی سرک گئے تھے اور اٹلی کے

نتیجہ

بہادر دستہ کا کچھ حصہ عین لڑائی کے وقت فرار ہوگیا تھا۔ باقی جہازوں اور فوجوں میں سے ایک بھی بچکر نہیں گیا۔ غنیمت میں اسپین کا قومی جھنڈا بھی بربریوں کے

ہاتھ آیا۔ ڈان اسوبرو اور بہت سے عالی نسب و عالی نژاد یورپین قید ہوئے۔[۱]

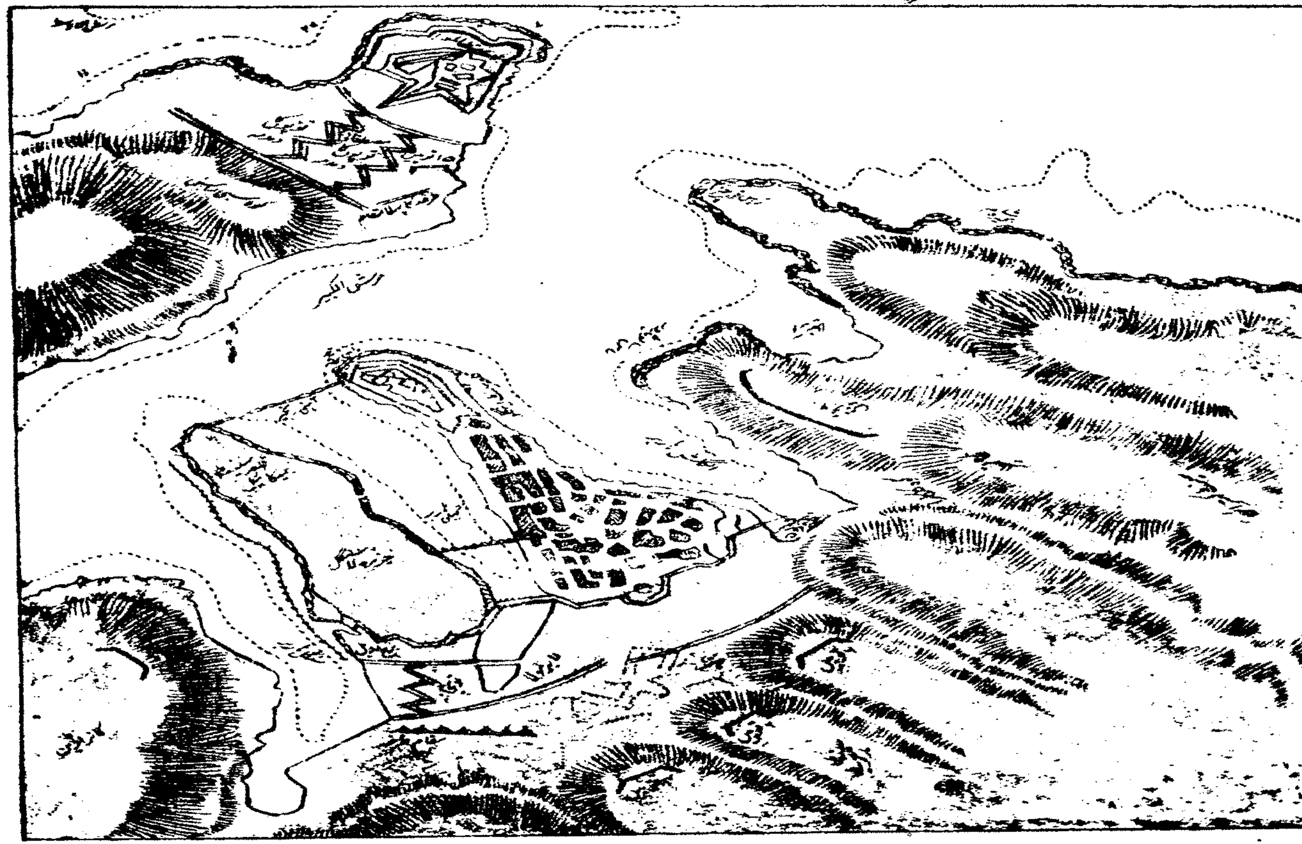
رودبار جربہ کا خونریز معرکہ ۱۱ مئی سنہ ۱۵۶۰ء کا واقعہ ہے۔ اور اسپین کی تاریخ میں آجتک سخت ناکامیوں میں شمار ہوتا ہے۔ جب یہ جانگداز خبر اندریا ڈوریا کو ملی اور اپنے ہونہار بھتیجے کی شرمناک شکست کا حال معلوم ہوا تو اُسکو سخت صدمہ ہوا۔ اور فرط غم سے بیتاب ہو کر اپنے رفیقوں سے جو اُسکے بستر مرگ کے گرد ماتمی حلقہ باندھے ہوئے تھے خواہش کی کہ مجھے لیچلو۔ اور پادری سے تلقین کراؤ۔ بڈھے ڈوریا کی یہ بڑی خوش نصیبی تھی کہ وہ اِس معرکہ میں شریک نہ تھا۔ ورنہ معرکہ پریویسا کو بھول جاتا۔

رودبار جربہ کے معرکہ سے قریبًا چھ ماہ بعد یعنے ۱۵ نومبر کو یورپ کے اِس بڑے مشہور لُٹیرے نے جان جاں آفریں کو سونپ دی۔

---

[۱] لین پول صفحہ ۱۴۰۔ سنہ ۱۵۶۱ء میں بھی اسیطرح کا یورپین طوفان بے تمیزی ٹیونس پر نازل ہوا تھا۔ اور اسیطرح فرو ہوا تھا۔ اسکے تفصیلی کوائف ناظرین کو اقصاے مغرب حصہ اول میں اپنے موقع پر ملیں گے۔

جزیرہ مالٹا کا محاصرہ ۱۵۶۵ء میں



آٹھوان باب

مالٹا کے مجاہدین بیت المقدس اور ۱۵۶۵ء کا معرکہ

غارتگران مالٹا کی ترکتازیاں

یہ یاد ہوگا کہ طرغد پاشا نے مجاہدین بیت المقدس کو ۱۵۵۱ء میں ٹریپولی سے مار کر نکالدیا تھا۔ اُمید تھی کہ اِس غارتگر فرقہ کو ۱۵۲۲ء کے معرکہ روڈس کے بعد جو یہ دوسرا سبق ملا ہے اِسکو ہمیشہ یاد رکھینگے مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مالٹا میں جمکر وہ بہت جلد اسکو بھول گئے۔ اور پھر اُسی پرانی عادت پر اُتر آئے۔ چنانچہ ساحل سسلی سے لیکر بحیرۂ شام کی نہایت حد تک تمام قطعۂ آب گویا اِنکا جولانگاہ بنگیا۔ اگرچہ باقاعدہ اور جنگی جہاز اُنکے پاس کل ۶ ناؤ ہی تھے۔ مگر چھوٹی چھوٹی سبکرفتار شکاری کشتیاں بکثرت تھیں جنسے وہ اِس وسیع قطعۂ آب میں نہایت قسی القلبی کے ساتھ لوٹ مار کرتے تھے اور تجارتی جہاز گرفتار کرلیتے تھے۔ شام و مصر کی تجارت اِن سفاکانہ ترکتازیوں سے خصوصًا محل خطر میں تھی۔ اخیر پر اس مردم آزار گروہ کی دست درازی یہاں تک بڑھی کہ خود بربری قزاقوں کے جہاز بھی اُنسے بچکر چلتے تھے اُنکے بڑے بڑے سردار بلکہ گرینڈ ماسٹر (معلم اول) تک غنیمت کی تلاش میں جابجا منڈلاتے پھرتے تھے۔ مثلًا جین ڈی لاویلیٹا جو پہلے امیر البحر اور بعد کو گرینڈ ماسٹر ہوا فرنیس آؤ ریورین جو فرانس کا گرینڈ پرائر (داروغہ) اور لول تھا۔ اومی گاس وغیرہ ان سے بڑھکر غارتگری میں ید طولی اَور کسکو ہو سکتا تھا۔ اگر ان میں اور بربری غارتگروں میں کچھ فرق ہے تو صرف یہ کہ یورپین وقائع نگار مجاہدین کی خصلت کی

اصلی تصویر طوعاً و کرہاً دکھلا کر اخیر پر لکھدیتے ہیں کہ "یہ سب کچھ سہی مگر انکی غارتگری میں ایک طرح کی شجاعانہ ادا اور صدق و خلاص کی آمیزش تھی۔ بیشک وہ قزاق تھے مگر بیکسوں اور مصیبت زدوں کے سچے حامی بھی تھے۔ اور صرف دشمنان دین پر ہاتھ صاف کرتے تھے"۔[۱] سولھویں صدی کی طرفداری ۱۵۴۱ء میں ٹریپولی سے نکلکر مجاہدین نے پھر اسطرف کا رُخ نہیں کیا۔ بلکہ ۱۵۶۵ء تک مرکز جہاد یعنے خاص مالٹا کے استحکام میں مصروف رہے۔ چنانچہ قلعہ سینٹ میکائیل اور سینٹ انگلو کی مرمت کی۔ سینٹ ایلمو کے نام سے ایک جدید قلعہ تعمیر کیا۔ جابجا سدیں قائم کیں۔ دمدمے بنائے۔ فصیل و بروج کو مستحکم کیا۔ خندقوں کا عمق بڑھایا۔ غرضکہ ماسٹر ایو نجلسٹا نے جو ایک نہایت کارآزما انجنیر تھا، چودہ برس تک تمام لوٹ مار کا مال سولھویں صدی کے اصول قلعہ بندی پر صرف کیا۔ اسلئے کہ مجاہدین خوب جانتے تھے کہ الجزائر میں دولت عثمانیہ کی شاخ روز کا کھٹکا ہے۔ اور جب یہ خود عثمانی جزیروں پر غارتگرانہ حملے کرتے تھے تو قرین عقل بھی تھا کہ اپنے بچاؤ کا سامان بھی رکھتے۔ آخر یہ وقت آن پہنچا اور صاحبقران نے انکی دست درازیوں کو حد سے بڑھتا دیکھکر گوشمالی کا ارادہ کیا۔

مالٹا کا استحکام

ابتدا میں اگرچہ یہ کوئی بڑی بھاری مہم نہ تھی۔ نہ اسپر کسی فریق کی زرمی نیکنامی کا انحصار تھا۔ کیونکہ مجاہدین لٹیروں کی ایک جماعت تھی جنکا دست تظلم بحر شام میں روز بروز دراز ہوتا جاتا تھا۔ اور ترک ان اطراف میں مقتدر اور عوام کی حفاظت کے ذمہ دار تھے

مہم کے ابتدائی کوائف

[۱] دیکھو لین پول صفحہ ۱۸۵ و ۱۹۶۔ گویا اسکے یہ معنے ہوئے کہ بربری قزاق کوئی مذہب نہ رکھتے تھے۔ لہذا انکے لئے یہ عذر معقول نہیں ہو سکتا۔ عجائبات اللال الخ

پس انکی گوشمالی انکا فرض تھا۔ مگر چونکہ یورپ کے مورخ اپنی قدیم عادت کے بموجب اِس واقعہ پر معمول سے زیادہ زور دیتے ہیں۔ نہ اِسلئے کہ ایک مردم آزار گروہ کو بالآخر کامیابی ہوئی بلکہ صرف اِس لئے کہ انیسویں صدی کے ترکوں کے آباؤ اجداد کو ناکامی ہوئی۔ لہذا ہم اِس محاصرہ کے تفصیلی حالات قلمبند کرتے ہیں۔ اور اول موقع جنگ سے شروع کرتے ہیں

جزیرہ مالٹا کی طبعی حالت

جیساکہ نقشہ سے ظاہر ہے۔ مالٹا ایک سراپا سنگلاخ اور اسقدر ناہموار مقام ہے کہ تمام جزیرہ میں کہیں کوئی کشادہ مستوی میدان نظر نہیں آتا۔ بلکہ جا بجا اونچے نیچے ٹیلے

سطح

سنگلاخ چٹانیں۔ اور سطحات مرتفع دکھائی دیتی ہیں۔ اسیطرح اِسکے سواحل بھی تلاطم امواج

ساحل

سے صدمہ رسیدہ اور چاک چاک ہیں۔ چونکہ شمالی ساحل سمندر میں کچھ زیادہ نکلا ہوا تھا۔ اِسلئے پانی کی تیز اور تند موجوں نے اِسکے ایک پہلو کو جہانتک ہوسکا ہے کاٹکر جزیرہ کو قدرتی طور سے دو حصوں میں تقسیم کردیا ہے۔ شمالی حصہ تو یہی قطعہ ہے جو دور سے ایک سنگلاخ مینی کوہ معلوم ہوتا ہے اور کوہ سیبی راس کہلاتا ہے۔ اور جنوبی حصہ باقی جزیرہ ہے سیبی راس کے شمالی ساحل کی خلیج مرش الاوسط کہلاتی ہے۔ محاصرہ کے وقت یہ حصہ گو قبضہ میں نہ تھا مگر غیر محفوظ

قلعہ سینٹ ایلمو

بھی نہ تھا۔ کیونکہ سینٹ ایلمو جو مینی کوہ پر مثل ایک مسلح محافظ کے ایستادہ تھا۔ گویا خلیج مذکور کے دروازہ کا حاجب تھا جنوبی خلیج یعنے وہ قطعۂ آب جو جزیرہ کو شمالی اور جنوبی دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے مرش الکبیر کہلاتا ہے۔ اور یہی منبع جہاد تھا۔ چنانچہ اِس زمانہ کا شہر مالٹا یعنے والیٹا گو مرش الکبیر کے شمالی ساحل پر واقع ہے۔ مگر ۱۵۶۵ء میں جنوبی ساحل پر تھا۔ جسکو چار سنگلاخ بلندیوں نے مثل مینی کوہ ایک دوسرے کے محاذ میں بیرن ساحل نکلکر

متعدد بندرگاہوں پر تقسیم کردیا ہے۔ سب سے پہلے راس فورچینز ہے جو بحر شام کو ارنیلا سے جدا کرتی ہے۔ پھر راس سالویڈور جو ارنیلا کو انگلش ہاربر سے جدا کرتی ہے۔ اسکے بعد راس برگ جو انگلش ہاربر کو گیگینز ہاربر سے علیحدہ کرتی ہے۔ اور سب سے اخیر پر جزیرہ سینگل جو گیگینز ہاربر کو لاسینگل سے جدا کرتا ہے۔ اور بذریعہ ایک تنگ ریتلی خاکنائے کے سرزمین مالٹا سے ملجاتا ہے۔ انہیں راس برگ کے سرے پر قلعہ سینٹ انگلو واقع ہے جو مرکز حکومت اور دارالجہاد ہے۔ اور لاسینگل کے سرے پر قلعہ سینٹ میکایل ہے علاوہ ازیں آبناؤں کے محاذ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک اونچے نیچے پہاڑوں کے سلسلہ نے ایک ایسا خط کھینچدیا ہے جسکو مالٹا کے قلعوں اور بندرگاہوں کی قدرتی سد مشترک کہنا چاہیئے۔ یہی حال عقب کا ہی چنانچہ قلعہ سینٹ ایلمو کی پشت پر کوہ سیبی ارس ہے جو سلامی کی وضع پر پیچھے کو رفتہ رفتہ بلند ہوتا چلا گیا ہے۔ ارنیلا اور انگلش ہاربر کے پیچھے کوہ سالویڈور اور کوہ کالکارا کے سلسلے چلے گئے ہیں۔ جو آخر پر سینٹ کتھرائن کے پہاڑوں سے ملجاتے ہیں۔ برگ اور سینٹ میکایل کوہ سینٹ مارگریٹ کی کشیدہ قامت چوٹیوں کو پشت پر لئے ہوئے ہیں۔ اسیطرح مرش الکبیر کے مغربی حصہ اور آبنائے سینگل کے پیچھے ایک سنگلاخ سطح مرتفع واقع ہے جو کانراڈین کہلاتا ہے۔ اس مختصر اور محض بیرونی حالت کو پڑھکر جنگ سے ناواقف بھی تھوڑا بہت اندازہ کرسکتے ہیں کہ موقع قدرتی طور سے کسقدر سخت اور دشوار گزار اور محصورین کے حق میں کہاں تک مفید تھا اگر مصنوعی حفاظت کا سامان نہ بھی ہوتا تب بھی کوہستانی سلسلے۔ سنگلاخ نشیب و فراز

سینٹ انگلو

سینٹ میکایل

قدرتی استحکام

اور بحر شام کے بعض عمیق حصے قدم قدم پر سد راہ تھے۔ انیسویں صدی کے گولہ انداز اور انجنیروں کے نزدیک تو مالٹا کا محاصرہ ایک بات تھی۔ مگر جیسا کہ آیندہ پرواز محاصرہ سے ثابت ہوگا سولھویں صدی میں فن حرب نے یہانتک ترقی نکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بربری اور ترک کافی فوج کے باوجود بھی مالٹا کو فتح نکر سکے۔

یہ ظاہر ہے کہ مجاہدین بیت المقدس اسلامی دنیا میں خواہ کہیں مقیم ہوتے

دول یورپ اور مالٹا کے تعلقات

روڈس میں۔ ٹریپولی۔ یا مالٹا میں۔ ہر جگہ دول یورپ کا مقدمۃ الجیش سمجھے جاتے تھے لہذا آڑے وقت پر انکی مدد کرنا مغربی دنیا کا فرض کفایہ تھا۔ ورنہ ہربران قسطنطنیہ و الجزائر کے مقابلہ میں ان معدودے چند غارتگروں کی حیثیت ہی کیا تھی "مشتے از خاک

یورپ کی امداد کے طریقے

بطوفان نوح"۔ امداد کے کئی طریقے تھے۔ ایک تو یہی آجکل کے والنٹیر کہ ذرا سی شورش دیکھکر یورپ کے کونہ کونہ سے نکل پڑتے ہیں اسیطرح اُس زمانہ میں مجاہد تھے۔ جب اِس مقدمۃ الجیش پر کوئی آفت آتی تو سیکڑوں ہزاروں جنگجو دلاور یورپ کے ہر حصہ سے غازیانہ لباس پہنکر اور "المجاہد" "المبارز" کا خطاب لیکر افریقہ کی طرف جاتے دکھائی دیا کرتے تھے۔ مزید برایں مجاہدین بیت المقدس بجاے خود یورپ بھر کی قوموں کا عطر مجموعہ تھا۔ اس حکمت عملی سے یہ بڑا فائدہ تھا کہ بعض سلطنتیں اپنی قومی اور مذہبی قانون کی خلاف ورزی بھی نکرتی تھیں۔ اور صلحاے الجزائر و ٹرکی میں بھی بلا تکلف داخل نخیں دوسرا طریقہ امداد یہ تھا کہ علانیہ فوجیں اور جہازات بھیجکر اس غازی فرقہ کو دشمنان دین کے حملوں سے بچائیں۔ چنانچہ ایلغار کی خبر پاکر گرینڈ ماسٹر (معلم اول یا امیر المجاہدین) لا ولٹیا نے

قدسی نفس پوپ آو روم کو اطلاع کی کہ "المدد! المدد!" یہاں سے ایک ادنی اشارہ پر یورپ (پوپ سے استمداد)
بھر کی پولیٹکل کلوں کے پہیئے گھومنے لگے۔ مجاہدین کے پیرایہ میں جسقدر مدد پہنچی یورپین
اسکی صحیح مقدار نہیں لکھتے۔ مگر علانیہ طور سے اسپین نے اپنی وسیع سلطنت کے ہر حصے سے
بیشمار فوج بھیجی۔ پوپ آو روم نے زر کثیر بطور مصارف جنگ اور اپنا وہی معمولی روحانی نصرت
اور لشکر دعا بھیجدیا۔ علاوہ ازیں قریبًا آٹھ ہزار جوان خاص مالٹا کے باشندوں میں سے
منتخب کیے گئے۔

۱۸ مئی ۱۵۶۵ء کو ترکی بحری بیڑا جسمیں چھوٹے بڑے کل ملاکر ڈیڑھ سو جہاز
اور تقریبًا تیس ہزار فوج تھی۔ پیالی پاشا۔ حسن پاشا۔ مصطفے پاشا جیسے دلاوروں کی کمان میں (متحدہ ہلالی بیڑا اور اسکی فوجی قوت)
جزیرہ کی طرف حرکت کرتا دکھائی دیا۔ مجاہدین کا سپہ سالار اور پیشوا لاولیٹا نامی ایک مشہور
شجاع تھا۔ مُسن۔ کار آزما۔ دلاور۔ روڈس اور ٹریپولی کے میدان ہارے ہوئے۔ اور بحری کشتیوں
پر عرصہ دراز تک حلقہ بگوش غلاصی کا کام کیے ہوئے۔ ترکوں خصوصًا بربریوں کی زبان۔ (مجاہدین کا پیشوا)
خو بو۔ اور طرز جنگ سے خوب واقف۔ سخت مزاج بلکہ سفاک طینت۔ خونریز۔ مزید برایں اپنے
فرقہ اور ملت کا پکا طرفدار تھا۔ پرچم ہلال کی رویت اول پر اُسنے سمجھا کہ ساعت ناگزیر آن
پہنچی۔ اور اپنی ذریات کو جمع کرکے تلقین کی کہ "ای مذہب کے سچے جان نثارو! گناہوں سے (تلقین)
توبہ کرو اور خدا کو راضی کرو۔ باہم شکر رنجیوں کو دلوں سے دھو ڈالو۔ اور یکجہتی سے اپنے پاک
مذہب پر قربان ہونے کیلئے کمربستہ ہو جاؤ جسکی حمایت کی تم نے قسم کھائی ہے" چنانچہ ہر مجاہد نے الگ الگ
سربسجود ہو کر دنیاوی جاہ و جلال اور دنیاوی غرور و تمکنت سے بتضرع و زاری توبہ کی۔ اور

عشاء ربانی تناول کر کے مسیح کی راہ میں جان دینے کو تیار ہو گئے [1]

متحدہ ہلالی بیڑے کی کمان

ادھر متحدہ بیڑا پیالی پاشا کی کمان میں جزیرہ کی طرف بڑھا۔ امیر البحر دراصل طرغد پاشا تھا مگر وہ ابھی شریک نہوا تھا۔ اور ہر چند کہ بابعالی کا حکم تھا کہ طرغد پاشا کے پہنچنے تک کوئی کارروائی شروع نہ کیجائے۔ مگر کچھ تو پیالی نے عجلت کی اور کچھ طرغد کو بھی بجہ۔ شام میں ادھر اُدھر سراغ رسانی اور جستجو کرنے میں خلاف توقع پندرہ دن زیادہ لگ گئے۔ نقشہ

موقع جنگ

سے ظاہر ہے کہ مبداُجہاد مالٹا کا جنوبی حصہ تھا۔ شمالی حصہ یعنے سیبی رکس اگرچہ سامان سے خالی نہ تھا۔ مگر فوجی قوت کے لحاظ سے سینٹ ایلمو میں معمولی درجہ کے سو پچاس سپاہیوں سے زیادہ نہ تھے۔ حملہ آورین کے جہاز اسقدر تھے کہ مرش الکبیر میں داخل ہوکر شمالی

پردازِ محاصرہ

اور جنوبی دونوں حصوں سے ایک ساتھ جنگ کیجاتی تو سیبی رکس کی مختصر جمعیت بآسانی زیر ہوجاتی۔ مگر سپہ سالار مصطفٰے پاشا سمجھا اور غلط سمجھا کہ سینٹ ایلمو سہل الحصول ہے اگر

مصطفٰے پاشا کی غلطی

یہ قلعہ قبضہ میں آگیا تو محاصرین اسمیں جگر جنوبی حصہ کا محاصرہ عرصہ دراز تک کر سکتے ہیں چنانچہ مرش الاوسط میں داخل ہوکر اسنے سینٹ ایلمو کا محاصرہ خشکی کیطرف سے شروع کردیا اور مزایہ کہ مرش الکبیر کو یہانتک نظر انداز کیا کہ اسمیں چند جہاز بھی اس مقصد کے لئے نہ چھوڑے کہ مالٹا کے جنوبی اور شمالی حصوں کے رسل و رسائل کو مسدود کر سکتے۔ ۲۔ جون تک ادھر سے طرغد پاشا ٹرپیولی اور بونا کی چند کشتیوں سمیت۔ اور ادھر سے علی العلوجی پاشا اسکندریہ

امیر البحر طرغد پاشا

سے آملے۔ طرغد نے جب دیکھا کہ پرداز محاصرہ ایسی بُری طرح سے اُٹھایا گیا ہے تو اسکو نہایت

---

[1] باربری کورسیر صفحہ ۱۴۵ و ۱۴۶۔

افسوس ہوا۔ اُسکا شروع سے منشا تھا کہ مرش اللاوسط اور مرش الکبیر دونوں سے قطع نظر کیجائے۔ اور بسم اللہ خاص منبع جہاد یعنے قلعہ سینٹ میکائیل اور قلعہ انگلو سے کیجائے۔ اسطرح پر کہ خشکی کی راہ کوہ کا نراڈین اور سینٹ مارگریٹ کی بلند چوٹیوں سے اُنپر گولہ باری کریں تاکہ محاصرین محصورین پر بھاری بھی رہیں۔ اور انکی زد سے بھی محفوظ رہیں۔ مگر چونکہ اسوقت تک بہت سی سدیں اور دمدمے تیار ہوچکے تھے۔ لہذا طرغد نے اس تجویز سے بادل ناخواستہ موافقت کی۔

افتتاح جنگ

آخرکار یکم مئی کو افتتاحی توپ سر ہوئی۔ سینٹ ایلمو ایک چھوٹا سا قلعہ تھا اور اگر اسکو سینٹ میکائیل سے وقتاً فوقتاً مدد نہ ملتی تو ہفتہ عشرہ میں محاصرہ کا خاتمہ ہو جاتا چنانچہ ۱۷ جون تک مسلسل گولے پڑتے رہے۔ اور قلعہ کی یہ حالت تھی کہ ایک فصیل سخت آتشباری کے بعد جب پاش پاش ہوکر منہدم ہوتی تھی تو پیچھے سے ایک اَور جدید فصیل نکل آتی تھی۔ آخرکار ہلے شروع ہوئے۔ پہلا ہلہ تین گھنٹے تک رہا۔ محاصرین نے مردانہ وار قلعہ کے ایک گوشہ پر قبضہ کرلیا۔ محصورین نے گھبرا کر گرینڈ ماسٹر کو اطلاع دی کہ قلعہ ہاتھ سے جاتا ہے۔ چنانچہ برگ سے تازہ کمک بھیجی گئی۔ اُدھر طرغد پاشا کی تجویز سے خندق پر لمبے لمبے شہتیر ڈالکر ایک بھدا سا پل تیار کیا گیا۔ اور مصطفےٰ پاشا ایک چیدہ دستہ کے ساتھ دروازہ کی طرف بڑھا۔ اُدھر سے محصورین نے سخت مقابلہ کیا اور پانچ گھنٹے کامل ایک سخت ہنگامۂ کارزار گرم رہا۔ محاصرین ہر مرتبہ بڑھتے تھے۔ اور ہر مرتبہ پسپا کیے جاتے تھے۔

سینٹ ایلمو کا معرکہ

قلعہ سینٹ ایلمو شدت آتشباری سے ایک تودۂ خشت و گل ہوگیا۔ مگر جاں نثار

مجاہدین ڈھے پھوٹتے برجوں اور فصیلوں کی آڑ میں اسقدر سخت قیمت پر جانیں بیچ رہے
تھے کہ بربریوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ آخر ۱۰ جون کو محاصرین اپنی غلطی سے واقف
غلطی کا اعتراف اور تدابیر محاصرہ کی اصلاح
ہوئے۔ اور مرش الکبیر کو جنگی جہازوں کی مدد سے قبضہ میں لاکر قلعہ محصور اور قلعہ سینٹ
میکائیل کے رسل و رسائل کو مسدود کیا۔ ادھر مورچہ بندی کی حد مرش تک پیچھے ہٹائی تاکہ
عقب کے تمام بندروں کی حفاظت کیجاسکے۔ اِسی اثنا میں جبکہ طرغد پاشا انجنیروں کے ساتھ
طرغد کا زخمی ہونا
توسیع حد کے اہتمام میں مصروف تھا تو اچانک اُسے ایک گولی لگی۔ زخم کاری تھا۔ خوف
ہوا کہ فوج میں کہیں ہلچل نہ مچ جائے۔ مگر مصطفے پاشا نے اُسی استغنا اور استقلال سے
ترکوں کا خاصہ
جو ترکوں کا قومی خاصہ[1] ہے۔ طرغد کے بحِس و حرکت جسم پر اپنا اوور کوٹ ڈھکدیا۔ اور خود
اُسکی جگہ کھڑا ہوگیا۔ پانچروز بعد یعنی ۲۲۔ جون کو صبحدم آخری ہلہ کی تیاری شروع ہوئی توپوں
کی آواز سے تمام دشت و جبل گونجنے لگے۔ فصیل کا بیشتر حصہ سربسجود ہوگیا۔ مگر مجاہدین
آخری ہلہ
اِس بے سر و سامانی پر بھی آہنی دیوار کی طرح ڈٹے رہے۔ سہ پہر کو مصطفے پاشا ایک دستے کے
ساتھ مینہ آندھی کی طرح قلعہ پر جُھکا۔ اُدھر سے محصورین نے بھی دلیرانہ استقبال کیا۔ اور
ایک طرفۃ العین میں گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی جسمیں تیغ و سپر اور آخر کو دست و گریبان
کی نوبت پُہنچی۔ اور اگر رات کی تاریکی بیچ میں نہ پڑتی تو سینٹ ایلمو کی قسمت کا آج ہی فیصلہ
ہوچکا تھا۔ صبح۔ صبح محشر تھی۔ کیونکہ قلعہ والوں کی آنکھوں کے سامنے رات بھر تصویر مرگ
پھرتی رہی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ گرینڈ ماسٹر بلکہ پوپ بھی ہمکو اِس حالت ششدر اور

[1] بار بری کورسیر صفحہ ۱۴۸۔

دہن اژدر سے نہیں بچا سکتا۔ ساعت ناگزیر کسیطرح ٹل نہیں سکتی۔ چنانچہ ہر ایک نے انجیل مقدس کو ہاتھ میں لیکر بوسہ دیا۔ اور اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کر کے مسیح کی راہ میں جان دینے کو تیار ہو گئے۔ اُدھر بربری اور ترکی دلاور جنھوں نے کشمکش اُمید و بیم میں جاگ کر صبح کی تھی رات کی گھٹا ٹوپ سے اسطرح نکلے جسطرح کوئی جھلایا ہوا شیر آہنی پنجرے سے۔ یوں تو رسل و رسائل مسدود ہونے سے پہلے ہی سینٹ ایلمو کی قوت محدود ہو گئی تھی۔ مگر اب پچھلے دن کے صف شکن حملوں سے بالکل مضمحل ہو گئی۔ چنانچہ اِس آخری ہلہ کو سہنے والے وہ پہلے سے مغرور پرجوش۔ اور جانباز مجاہدین نہ تھے۔ بلکہ چند شکستہ حال سپاہیوں کی جمعیت جنکو طویل محاصرہ کی سختی اور فاقہ مستی نے گھلا کر ناتوان کر دیا تھا۔ جنکے چہروں سے یاس و نامرادی ٹپکتی تھی۔ اور جسم زخموں سے چور چور تھے شمشیر بکف اور کفن بردوش قلعہ سے نکلکر ایک خفیف سی حرکت مذبوحی کے بعد بربری دستہ میں اسطرح معدوم ہو گئے جسطرح مینہ کی بوند بادل سے ٹپک کر دریا میں فنا ہو جاتی ہے۔ ہر مجاہد نے مسیحی خون کا ایک ایک قطرہ لعل و یاقوت کے مول بیچا۔ ایک متنفس بھی موت سے بچکر نہیں بھاگا۔ ناموارانہ شجاعت اور مردانہ جسارت کے لحاظ سے سینٹ ایلمو کا بہادر دستہ بڑی رزمیانہ عظمت کا مستحق ہے یہ معرکہ درحقیقت معرکہ پلیونا[1] کی ماقبل نظیر تھی۔ طرغد پاشا اسوقت اپنے خیمہ میں بستر مرگ پر دم توڑ رہا تھا کہ خوشی کے نعروں سے سینٹ ایلمو کا میدان گونجنے لگا۔ اُسنے قلعہ کی

آخری کشمکش

۱؎ غازی عثمان پاشا ۱۸۷۷ء کی جنگ روم و روس میں ایک مختصر جمعیت کے ساتھ پانچ ماہ تک رومانیا اور روس کی ٹڈی دل فوج سے دلیرانہ مقابلہ کرتا رہا۔ اور آخر کو پچاس ہزار دشمنوں کو تہ تیغ کر کے اُسوقت گرفتار ہوا جبکہ وہ قلعہ سے نکلکر بزور شمشیر راستہ صاف کر رہا تھا۔ لین پول تاریخ ترک صفحہ ۳۶۱۔

طرغد کی موت

فتح کی خبر سنی۔ اور کانپتی ہوئی آواز سے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور ساتھ ہی اُس کی روح جو پانچ روز سے گویا اس مبارک وقت کی منتظر تھی۔ اشک و تبسم کے ہجوم میں پرواز کر گئی۔

نہایت دلیر معرکہ آرا۔ شیر میدان رزم۔ معاصرین میں سب سے زیادہ نامور شجاع عروج اور خیر الدین کا ہم پلہ۔ امیر البحر ڈوریا سے بدرجہا زیادہ ممتاز۔ چارلس پنجم کے بڑے بڑے جانباز جرنیلوں اور کرنیلوں کا مُنہ پھرا دینے والا۔ حقیقت یہ ہے کہ طرغد پاشا

طرغد کا کیرکٹر

رزمیانہ مذاق میں یکتائے روزگار اور عدیم المثال امیر البحر تھا۔ ہمیشہ انگھڑ سپاہیوں کی سی زندگی بسر کرتا۔ جاہ و منصب کا آرزومند نہ تھا۔ بلکہ صرف جانبازی پر مرتا تھا خواہ کامیابی ہو یا ناکامی۔ مغلوب دشمنوں خصوصاً قیدیوں کا سچا ہمدرد و رفیق۔ نہایت زندہ دل آزاد منش بے تکلف تھا۔ ماتحتوں سے مساویانہ سلوک کرتا۔ اس سے تمام فوج مٹھی میں رہتی تھی ہمگر میں اسکو کمال[1] تھا اُس کی سی موت قریباً اڑھائی سو برس بعد لارڈ نیلسن کو نصیب ہوئی دونوں سچے سپاہیوں کیطرح اپنے فرائض کی انجام دہی میں عین تنت پر زخمی ہوئے طرغد سینٹ ایلمو کے میدان میں اور نیلسن ۱۸۰۵ء میں آبنائے ٹریفلگر میں۔ طرغد نے اسوقت جان دی جبکہ فتح کے نعروں سے ہوا گونج رہی تھی۔ یہ وہ انجام ہے جسکی نامور شجاعوں کو بڑی آرزو ہوتی ہے۔

متحدہ بیڑے نے سینٹ ایلمو کو لیا تو سہی۔ مگر نہایت سخت قیمت دیکر طرغد کے علاوہ چھ ہزار سپاہی کھیت رہے۔ اور قریباً دو ہزار آدمی اُدھر کام آئے جنمیں تین سو

[1] لین پول صفحہ ۱۴۹۔

مجاہدین سے اور باقی دول یورپ کی امدادی فوج سے۔ باینہمہ مدار جہاد یعنے وہ سنگین قلعہ سینٹ میکائیل اور قلعہ سینٹ انگلو ابھی اسیطرح الیستادہ تھے۔ اُنکو کسی نے ابھی چھوا تک نہ تھا۔ محاصرین کی طاقت جتنی گھٹتی تھی ہمیشہ کیلئے گھٹتی تھی۔ اور محصورین کا اضمحلال برائے چندے ہوتا۔ کیونکہ یورپ سے مقویات کا تار بندھا رہتا تھا۔ اور فوجیں پر فوجیں مسلسل چلی آتی تھیں۔ چنانچہ ۳۰۔ جون سے قبل ہزار سے زیادہ سپاہیوں کی ایک تازہ کمک پہنچی یہ ڈن جان آو کارڈونا کا عطیہ تھا سپہ سالار ملکار آدرول کو قلعہ تک پہنچنے میں سخت دقت پیش آئی۔ کیونکہ مرش الکبیر کے مشرقی ساحل کے تمام قلعہ جات جو بندرگاہوں کا کام دیتے تھے پچھلے ہنگامہ میں مسمار کر کے اُن کے مصالحہ سے وقتاً فوقتاً سینٹ ایلمو کی مرمت لگیئی تھی۔ اسلیئے لاسینگل سے کوئی رستہ نہ تھا۔ آخر یہ دستہ اولڈ ٹون کیطرف سے سینٹ میکائیل میں داخل ہوا۔

فریقین کی قوتوں کا موازنہ

محاصرین نے اب طرغد پاشا کی تجویز پر عمل کیا۔ اور جنوبی حصہ پر پیچھے سے حملہ کرنے کی تیاری کی۔ زمین قدرتاً سنگلاخ تھی جسمیں دمدمے اور سدیں تیار کرنا سخت دشوار تھا۔ اور چونکہ اس بلندی پر بچاؤ کا کوئی قدرتی سامان نہ تھا اسلیئے رات کی گھٹا ٹوپ میں سفر مینا اپنا کام کرتی تب بھی کوہکن اوزاروں کی آواز پر قلعہ سے گولہ باری ہوتی رہتی تھی بالآخر ۴۔ جولائی تک مسلسل محنت کے بعد سینٹ مارگریٹ اور کانراڈین کی بلندیوں پر چند بڑے بڑے دمدمے تیار کیے گئے۔ اور سینٹ میکائیل پر سامنے سینٹ ایلمو سے اور پیچھے ایک طرف کوہ مارگریٹ سے۔ اور دوسری طرف کانراڈین سے ایک ساتھ گولے پڑنے لگے۔

طرغد مرحوم کی تجویز

دوسرا محاصرہ

اِدھر کوہ سالویڈور سے انگلش ہاربر پر آگ برستی تھی۔ اب صرف ایک طرف اور باقی رہگئی
تھی یعنے گیلی ہاربر جو برگ اور سینٹ میکائیل کے درمیانی قطعہ کا نام ہے۔ چنانچہ چند جنگی
کشتیوں کا ایک چھوٹا سا سلسلہ باندھکر خلیج مذکور میں داخل ہونا چاہا۔ مگر اسکے مُنہ پر ایک
نہایت وزنی فولادی زنجیر اِس سرے سے اُس سرے تک آویزاں تھی۔ بربری دستہ کے
چند پرجوش نوجوان زنجیر کاٹنے کیلئے فولادی کلھاڑیاں لیکر پانی میں کود پڑے۔ اُدھر سے
مالٹا والے ننگی تلواریں مُنہ میں تھامکر تیرتے ہوئے مقابلہ کو بڑھے۔ آخر ایک سخت کُشت
خون کے بعد بربریوں کو پسپا ہونا پڑا۔ ۱۵۔ جولائی کی رات کو محاصرین نے سینٹ میکائیل تین طرف سے شبخون
پر تین طرف سے دھاوا کیا۔ ایک دستہ ساحل ارنیلا پر اُترکر خشکی کی راہ برمولا کے مشرقی حصہ
کی طرف بڑھا۔ دوسرا کوہ مارگریٹ کی چوٹیوں سے بخط مستقیم اُس حصہ قلعہ پر جُھکا جو بُرج
روبل سے محفوظ ہے۔ اور تیسرا جنوب مغرب یعنی کوہ کانراڈین کی جانب سے قلعہ کے مغربی
گوشہ پر حملہ آور ہوا۔ جو آبنائے لاسنگل میں کچھ زیادہ نکلا ہوا تھا۔ مجاہدین ہر طرف سے سد راہ تھے
مگر ایک پیش نگئی حملہ آورین نے مردانہ وار بڑھکر قلعہ پر کمندیں اور رسّی کی سیڑھیاں لگاکر چڑھنا
شروع کیا۔ محصورین نے بھی مقابلہ کرنے میں کسر نہیں رکھی۔ رات کی تاریکی اور خاموشی
میں بڑھو! بڑھو!۔ اور مارو! مارو! کی پرجوش آوازیں دشت وجبل میں اسطرح گونجتی
تھیں کہ دل دہلتے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ آجکی رات صبح قیامت پر ختم ہوگی۔ بربری
اور ترکی جانباز جوق جوق سیڑھیوں پر آتے تھے اور چڑھتے تھے۔ مگر لب بام پر پہنچکر
دھکیل دیے جاتے تھے۔ آخر کار تمام کمندیں کاٹ ڈالی گئیں۔ مگر اُنھوں نے نئی کمندیں

ڈالکر پھر چڑھائی شروع کی اور پھر ایک سخت کشمکش بلندی و پستی شروع ہوئی مجاہدین کی تلواروں میں کھاندے پڑ گئے تو اُنھوں نے بڑے بڑے وزنی پتھر اور چٹانوں کے ٹکڑے لڑھکانا شروع کئے۔ اسپر بھی محاصرین کے جوش کی یہ حالت تھی کہ سنگسار ہوکر دست و پا بریدہ ہوکر بھی فصیل تک پہنچتے تھے۔ اگرچہ شبخون میں ناکامی ہوئی مگر اُس سے مجاہدین کا سخت نقصان ہوا۔ کیونکہ سینٹ میکائیل کی کئی بڑی بڑی سدیں اور مستحکم برج صدمہ آتشباری سے پاش پاش ہوگئے۔ صدہا دلاور اور کئی نامور افسر کام آئے۔ اُدھر بربریوں کو بہ نسبت دشمن کے تیر و تفنگ کے اپنی سوء تدبیری سے زیادہ نقصان پہنچا۔ یعنے ارنیلا والے دستہ نے ساحل پر اُترکر جہاز واپس کردیے تھے۔ اِس لئے اب واپسی پر اُنکو بجز اِس کے اور کسی بات میں مفر نہ تھا کہ تلواروں سے کٹیں۔ گرفتار ہوں۔ یا غرقاب۔ چنانچہ اِس قیامت انگیز رات کو اسقدر کُشت و خون ہوا کہ لاشوں کے پشتے بند ھگئے۔ اور آبنائے ارنیلا خونابہ معلوم ہونے لگی۔ ایک انگریزی مورخ یہ تسلیم کرتا ہے کہ مجاہدین نے جنکو نامور شجاع کا خطاب دیا جاتا ہے۔ تمام قیدیوں کو تہ تیغ کر ڈالا[1]۔ جب کھُلے میدان میں کامیابی نہوئی تو محاصرین نے سرنگ سے قلعہ کو اُڑانے کا ارادہ کیا۔ مجاہدین اِس فن میں بھی طاق تھے اسلئے پہلی کوشش تو اُلٹی پڑی۔ یعنے جب سرنگ پھٹی تو اپنی ہی ایک کمینگاہ کو لے اُڑی۔ لیکن ترکی سفرمینا نے ہمت نہیں ہاری۔ اور قلعہ کی جو سدیں خشکی کیجانب تھیں اُنکے دونوں برجوں کی جڑوں میں دن رات سرنگیں لگاتے رہے۔ یہاں تک کہ ۲۷ جولائی کو برج رو بل

کشت و خون

مجاہدین کی نامورانہ شجاعت کی ایک مثال

---

[1] بیں پول صفحہ ۱۵۵۔ صرف ۹ قیدی ذبح ہونیسے بچے تھے جنکو محصورین نے ہاتھوں سے نوچکر مار ڈالا۔

اور برج قسطلیہ دونوں ایک ساتھ بھک سے اُڑ گئے۔ یہ کامیابی دراصل صالح[۱۵] رئیس کی شب گردیوں اور سراغرسانیوں سے حاصل ہوئی جب قلعہ بندی میں اچھی طرح رخنہ پڑ گیا۔ تو

دوسرا حملہ

۶۔ اگست کو دوپہر کے وقت چھ[۶۰۰۰] ہزار چیدہ جوانوں کا دستہ برج روبل کی جانب بڑھا ملکائر اسوقت دن بھر کی سخت محنت کے بعد تمازت آفتاب سے گھبرا کر دستہ سمیت تازہ دم ہونے چلا گیا۔ اور میدان خالی تھا۔ اگرچہ یہ لوگ بڑی احتیاط سے چھپتے چھپاتے چلے مگر دروازہ کے سنتریوں کو کسیطرح پتہ لگ گیا۔ اور الارم دینے پر ملکائر مع فوج کے مقابلہ کیلئے آموجود ہوا۔ چنانچہ برج روبل کے تودۂ خشت وگل پر دو برابر کی طاقتیں چار گھنٹے آپسمیں ٹکراتی رہیں۔ ہر ٹکر پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ اب فیصلہ ہو گیا۔ مگر ایسے نازک موقعوں پر قدرت کی مہیب طاقتیں ثالث بنجایا کرتی ہیں۔ آفتاب کی تمازت اسقدر تیز ہوئی کہ فریقین تاب نہ لا سکے۔ اور معاملہ کو یکسو کئے بدون پلٹ آئے۔ اس معرکہ میں محاصرین کے پانسو آدمی کھیت رہے۔

تیسرا حملہ

۷۔ اگست تک تازہ دم ہو کر مصطفے پاشا نے بیس[۲۰۰۰۰] ہزار فوج کے ساتھ پھر حملہ کیا اور دونوں برجوں کے حصہ خندق پر قبضہ کر کے فصیل پر کمندیں ڈالدیں۔ قلعہ والوں نے اس مرتبہ نہایت سخت مقابلہ کیا۔ اُنکے بڑے بڑے شجاع فصیل پر جھک پڑے میکائر آورروبل۔ مناٹن۔ اور اسپین کے نامور جرنیلوں نے بڑھ بڑھکر داد مردانگی دی۔ یہانتک کہ بڈھا گرینڈ ماسٹر بہ نفس نفیس ناکہ بندی کے لئے آیا۔ اور نہ صرف آیا بلکہ معمولی سپاہیوں کیطرح

---

۱۵ یہ خیر الدین کے ہمعصر صالح رئیس کا بیٹا تھا۔

محاصرین کی جانبازی

بساط اُلٹ گئی

اگلی صف میں تلوار لیکر لڑا۔ مگر محاصرین جوش سے بیہوت تھے۔ اُنکو برجوں کے رخنوں کے سوا اَور کچھ نہ سوجھتا تھا۔ نہ تلوار کے قبضہ اور نوک میں تمیز تھی۔ نہ یہ حس تھی۔ کہ جسم میں کونسا بازو باقی ہے۔ ہر جست پر دیوانہ وار بڑھتے تھے۔ حتی کہ بے سر کا تن بھی ایک قدم بڑھکے گرتا تھا۔ آخر اِس خونریز کشمکش کے بعد ایک جماعت فصیل پر چڑھ گئی۔ قریب تھا کہ ہلال نصب کریں۔ قریب تھا کہ باقی فوج طوفان بے تمیزی کیطرح قلعہ پر جھک پڑے۔ مگر یکایک ایک دستہ فوج سامنے اولڈ ٹون کیطرف سے قلعہ کو آتا دکھائی دیا۔ اور گمان ہوا کہ یورپ سے تازہ کمک آئی ہے۔ یہ خبر آناً فاناً تمام متحدہ فوج میں پھیلگئی اور اسدرجہ خوف و ہراس غالب ہوا کہ مصطفے پاشا نے ہر چند تسکین کی۔ حسن پاشا نے ہر طرح دم دلاسا دیا۔ مگر ہوا کا رخ بدل چکا تھا۔ ایک پیش نہ گئی۔ اور جو بات آٹھ گھنٹے کی جانفروشی سے حاصل ہوئی تھی وہ ایکدم میں مفت جاتی رہی۔ مگر اِس سے مصطفی پاشا کی ہمت میں سرمو فرق نہ آیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بُرج روبل اور بُرج قسطلیہ مسمار نہیں ہوئے۔ بلکہ ستون جہاد مرکز ثقل سے ہلگیا ہے ایسی متزلزل حالت میں اِسکے سوا اَور کیا توقع ہو سکتی تھی کہ اگر کچھ دن اور اسیطرح اوپر سے گولہ باری ہوئی اور پیچھے سے سرنگیں اُڑیں تو ایک ہلّہ میں سینٹ میکائیل مسخر ہو جائیگا۔ چنانچہ ۲۰۔ سے ۲۹۔ اگست تک چھوٹے چھوٹے حملے ہوتے رہے۔ آتشباری اور سرنگوں کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر اِن سے کوئی نمایاں کامیابی نہیں ہوئی۔ ۲۰۔ اگست کو محاصرین ایک عام ہلّہ کر کے برج سے پرلی طرف اُتر گئے۔ مگر محصورین نے یہ حصہ بہت جلد سُرنگ سے اُڑا دیا۔ ۵۔ ستمبر کو اسپین سے ہزاروں سپاہیوں کی ایک جری فوج مع وافر سامان جنگ و

محافظت قلعہ کی مدد کو پہنچگئی اسلئے افواج متحدہ کو بجز اسکے چارہ نہ رہا کہ محاصرہ سے دستکش ہوجائیں۔

محاصرہ اور حملہ کے نتائج اور مالٹا کی شکستہ حالت

اگرچہ مجاہدین بیت المقدس کو ہمسایوں کی نامردی سے بحر لیوانٹ میں کچھ دن اور سفاکانہ غارتگری کرنیکا موقع ملگیا۔ مگر یہ حالت صحت کے خواب تھے۔ سرِ دست جسم کا کوئی عضو صحیح نہ تھا۔ سیبی راس میں کوئی عمارت سلامت نہ رہی تھی۔ سینٹ ایلمو کی بجائے اینٹوں اور پتھروں کا ایک غیر متمیز انبار لگا تھا۔ خاص مبدا جہاد کی کوئی بندرگاہ یا جہاز نہ بچا تھا۔ نہ سدوں کا کہیں پتہ تھا۔ برج روبل اور قسطلیہ کے مسمار ہوجانیسے سینٹ میکائیل کی صورت مسخ ہوگئی۔ تمام فصیل و بروج میں جابجا ناسور پڑ گئے۔ سیکڑوں مجاہدین اور ہزاروں امدادی فوج کٹ گئی۔ جو بچے وہ صعوبت اور شدت فاقہ سے پیکر استخوان معلوم ہوتے تھے۔ نہ میگزین میں سامان باقی رہا تھا۔ نہ خزانہ میں روپیہ۔ اور اگر لاولیٹا کو کوئی وجہ اطمینان تھی تو صرف یہ کہ جان بچی لاکھوں پائے۔ ادھر قسطنطنیہ اور الجزائر کی متحدہ قوت کو مالٹا میں سخت سے سخت مقابلہ کی توقع تو تھی مگر ناکامی کی توقع نہ تھی۔ اور ناکامی بھی ایسی کہ لکھوکھا روپیہ خرچ ہوا۔ ہزاروں دلاور کھیت رہے۔ یہانتک کہ تیس ہزار میں سے تہائی چوتھائی فوج بھی باقی نہ رہی سطرغا جیسا ہیرو نذر ہوا۔ اور لٹیروں کے مقابلہ پڑا کام بگڑا جو خجالت دامنگیر ہوئی وہ مزید براں ہمہ۔

نواں باب

دول یورپ کا حملہ۔ لپینٹو کا معرکہ۔ ترکی بربری بیڑے کی ہزیمت

۱۵۷۱ء

قسطنطنیہ اور بربر کے تعلقات

ناظرین کو حیرت ہوگی کہ پچھلے چار بابوں میں جسقدر واقعات سلسلہ وار قلمبند کیئے گئے ہیں اُنسے فی الجملہ مستنبط ہوتا ہے کہ قرن وسطی میں الجزائر کے تاریخانہ اسٹیج پر ترکی سین زیادہ دکھلائی دیتے تھے۔ لہٰذا اقصاے مغرب کی تاریخ میں قسطنطنیہ کی تاریخ کا رنگ آگیا ہے۔ لیکن یہ کچھ خلاف توقع نہیں اور نہ بیموقع ہے۔ اسلئے کہ خیرالدین نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اقصاے مغرب کی چھوٹی سی سلطنت کو مصلحتاً دولت عثمانیہ میں مدغم کردیا تھا۔ اور بابعالی نے بھی اس الحاق کو غنیمت سمجھا۔ کیونکہ لٹیروں کی موافقت انکی مخالفت سے بدرجہا بہتر ہے۔ بربر کے بڑے بڑے نامور ترکی فوجوں کے سپہ سالار ہوتے تھے اور بربر کی سبک رفتار بادبانی کشتیاں عموماً ترکی جنگی بیڑوں کا ہراول بنکر دیسار بناتی تھیں گویا بابعالی۔ اقصاے مغرب کو شجاعت اور نبرد آزمائی کا گودام سمجھتا تھا۔ اور یہاں کی شجاعت کے نمونوں سے حسب ضرورت اپنے بحری اور بری صیغوں کو آراستہ کیا کرتا تھا چنانچہ مدار کامیابی ہی یہ ٹھہر گیا تھا کہ ترکی اور بربری بیڑے متحد ہوکر حملہ کریں اور اس متحدہ بیڑے کا امیر البحر الجزائر کا کوئی نامور فرمانروا یا دلیر معرکہ آرا مثلاً خیرالدین۔ طرغد۔ حسن مقرر کیا جا تو وقائع نگار کو بجز اسکے چارہ نہیں کہ ہر حالت میں ہر وقت اور ہر جگہ سایہ کی طرح اپنے ہیرو (

(ناموروں) کے ساتھ رہے۔ خواہ وہ پریویسا کے قریب امیر البحر ڈوریا سے معرکہ آرا ہوں یا خاص سواحل بربر پر ڈیوک میڈینا سلی سے زور آزما ہوں۔ غرض ہر جگہ اُنکی کامیابیوں اور ناکامیوں کو قلمبند کرنا مورخ کا فرض منصبی ہے۔ اِس لحاظ سے مالٹا کا محاصرہ گو ترکی تاریخ کا واقعہ ہے۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بربر کی تاریخ سے اُسکو کچھ تعلق نہیں۔ سچ یہ ہے کہ اگر الجزائر کے اولوالعزم فرمانرواؤں اور دلاوروں کی شجاعت کو ترکی کارناموں کا نفس مضمون فرض کریں تب بھی خیر الدین اور طرغد کی جاں نثاریاں اقصائے مغرب کے لئے بدرجۂ اولی باعث فخر وعزت ہیں اور ہمیشہ ہونگی۔

اگرچہ مالٹا کے ناکام محاصرہ سے الجزائر اور قسطنطنیہ کی جنگی عظمت کو صدمہ پہنچا۔ مگر یہ صدمہ صرف بری قوت تک محدود تھا۔ بحری عظمت کی آب و تاب میں سر مو فرق نہ آیا تھا۔ بربری کشتیاں بحر روم میں اُسیطرح بیباکانہ دَورے کرتی تھیں۔ اور تمام بحور واقع جنوب یورپ یا شمال افریقہ کو اپنا جولانگاہ سمجھتی تھیں۔ طرغد اگر موجود نہ تھا تو اس مردم خیز خطہ میں طرغد کے ثانی بکثرت تھے۔ چنانچہ علی العلوجی پاشا طرغد اور خیر الدین کے قدم بقدم تھا۔ یہ شخص اصل میں صوبہ کلبیریا کے ایک معزز عیسائی خاندان سے تھا۔ رسم جنگ کے بموجب گرفتار ہوکر الجزائر کے نخاس میں وارد ہوا۔ اور یہاں سے کسیطرح طرغد کے دائرہ ملازمت میں داخل ہوگیا۔ چونکہ اُس زمانہ میں عام طبائع کا میلان شجاعانہ کاموں کیطرف تھا لہذا کچھ تعجب نہیں کہ ہم علی العلوجی کو خدام ادب کے زمرہ سے نکلکر مالٹا کے محاصرہ میں کارفرما پاتے ہیں۔ یہ ۱۵۶۵ء کا واقعہ ہے۔ اسوقت الجزائر کی عنان حکومت حسن ابن خیر الدین

جنگ مالٹا کا نتیجہ

علی العلوجی پاشا

علی العلوجی گورنر الجزائر

کے ہاتھ میں تھی جو مالٹا کے محاصرہ میں شریک تھا۔ حسن کے انتقال کے بعد علی العلوجی نے زمام سلطنت لی۔ اور سب سے پہلے ٹیونس کو اہل اسپین سے انتزاع کیا۔ مگر حلق الوید

ٹیونس کی فتح

(گالیٹا) پر اب بھی تسلط نہ کر سکا۔ اُسکے عہد کا سب سے مشہور واقعہ یہ ہے کہ جولائی ۱۵۷۰ء میں جبکہ وہ مغربی بحر روم میں دورہ کر رہا تھا تو ساحل سسلی کے قریب مجاہدین بیت المقدس

مجاہدین سے مقابلہ

کے بیڑے سے مقابلہ ہوا جسمیں پانچ جنگی جہاز تھے۔ اور سینٹ کلیمنٹ کی کمان میں مال غارتگری لئے مالٹا کو واپس جاتے تھے۔ بندرگاہ القطائع پر دونوں میں بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ سینٹ کلیمنٹ نے گو آبروریز انجام سے بچنے کی کوشش کی مگر مجاہدین کھلے میدان کے بہادر نہ تھے۔ نہ پامردی ہمسایہ بدون جم سکتے تھے۔ کمان افسر کو آخرکار تین کوہ پیکر جہاز جنمیں علمبردار جہاز بھی تھا۔ علی العلوجی پاشا کے نذر کرنا پڑے اس معرکہ میں ساٹھ مجاہدین غرقاب شہادت ہوئے۔ اور اکثر گرفتار۔ جب یہ لٹا ہوا قافلہ مالٹا پہنچا تو مجاہدین اسقدر برہم ہوئے کہ گرینڈ ماسٹر (معلم اول) بڑی مشکل سے سینٹ کلیمنٹ کی جان بچا سکا۔ تاہم اہل شہر نے اُسے زندہ نہ چھوڑا۔ یعنے سول افسروں نے اُسپر دغا بازی کا الزام لگاکر پھانسی دیدی۔ اور لاش کو بلا تجہیز و تکفین ایک پیپہ میں ڈالکر سمندر میں پھینکدیا لیکن ۱۵۷۶ء اور ۱۵۷۱ء میں مجاہدین نے پامردی ہمسایہ سے القطائع کی چھوٹی سی زک کا خوب دل کھولکر بدلہ لیا۔ اور سچ یہ ہے کہ الجزائر اور قسطنطنیہ کی متحدہ بحری قوت کو کچھ عرصہ کیلئے بالکل مضمحل کر دیا۔ اسکے تفصیلی کوائف حسب ذیل ہیں۔

عروس البحر وینس کا اعزاز

یہ یاد ہوگا کہ ۱۵۳۸ء میں خیرالدین نے وینس کے جنگی بیڑے کو امیر البحر

ڈوریا کے زیر کمان پریویسا کے قریب شکست فاش دی تھی۔ اِس سے ریاست مذکور کا بحری اقتدار گو ہمیشہ کے لئے خاک میں ملگیا تھا۔ مگر اُسکا جوش ہنوز اُسی شد و مد پر تھا۔ اور اگر سکوت تھا تو صرف اِسلئے کہ بیمار اور کمزور تھی۔ چنانچہ جب کبھی یورپ کی کسی سلطنت یا کم سے کم روم مقدس کو ذرا اپنی پشت پر دیکھتی تو ریاست جامہ سے باہر ہوجاتی تھی۔ ہرچند کہ اُسکے تمام اچھے اچھے بندر اور بحری مقامات ایک ایک کرکے عثمانی ظل حمایت میں داخل ہوگئے تھے۔ تاہم بعض کارآمد جزیرے ابھی باقی تھے انمیں ایک جزیرہ سائپرس بھی تھا جو بحر لیوانٹ میں گویا وینس کی مرحوم شان و عظمت کی یادگار تھا۔ مشرقی بحر روم میں جزیرہ مذکور سے بہتر کوئی محفوظ مقام نہ تھا۔ خاصکر حالت جنگ میں فوجوں کیلئے وسیع ہیڈکوارٹر۔ سامان جنگ کیلئے عمدہ میگزین۔ رسدو راشن کیلئے کافی گدام۔ علاوہ ازیں سائپرس کا قدرتی موقع اور منظر جنگی ضرورتوں کیلئے اسقدر موزوں تھا کہ یہاں جمکر تمام بحر لیوانٹ میں جہازرانی کرنیوالوں کی باسانی نگہبانی کیجاسکتی تھی غنیم کی ہر حرکت و سکون سے خبردار رہ سکتے تھے۔ اور ان سب سے بڑھکر یہ خصوصیت تھی کہ یونانی غارتگر اور اُنکی ہمسایہ قوموں کے بحری قزاق جو عموماً سواحل شام پر آباد تھے سائپرس کو اپنا ملجا و ماویٰ سمجھتے تھے۔ صاحبقران ان تمام امور سے ناواقف نہ تھا مگر موقع کا منتظر رہتا تھا۔ اب اُسکے فرزند جانشین سلطان سلیم ثانی نے بھی اُسی خیال کا اتباع کیا۔ اور چونکہ وینس اُس زمانہ کے یورپ کی غارتگرانہ پالیسی کی درپردہ مؤید تھی۔ اور عثمانی حدود پر ترکتازیاں کرنیوالوں کو حاسدانہ جرأت دلایا کرتی تھی اسلئے

جنگ پسندی کے اسباب

جزیرہ سائپرس کا منظر اور موقع

جزیرہ مذکور پر چڑھائی کرنے کی تجویز

اشتہار جنگ

جنگ کا حیلہ ڈھونڈھ لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور ۱۵۷۰ء میں باب عالی نے سائپرس کے قبضہ کیلئے وینس کو اشتہار جنگ دیدیا۔

وینس کی تدابیر جنگ

ریاست وینس اس قسم کے اشتہاروں پر جو کچھ کرسکتی تھی وہ اس سے زیادہ نہ تھا کہ مجاہدین بیت المقدس کیطرح پوپ آف روم سے استمداد کرے۔

پوپ کی مساعدت

یورپ کی مذہبی حکومت اسوقت پوپ پیس پنجم کے مبارک ہاتھ میں تھی۔ جو نہایت مدبر۔ پرجوش اور مقدس پیشوا تھا۔ اُسنے جنگ کو ناگزیر سمجھکر دول یورپ سے امداد کی تحریک کی۔

دول یورپ کی امداد

ان میں فلپ شاہ اسپین نے ایک جرار بیڑا بسرداری گیونی ڈوریا بھیجا۔ اور خود پوپ نے اٹلی کے شہزادوں سے تھوڑی تھوڑی فوج اور جہازات لیکر ایک بڑا بیڑا تیار کرکے بھیجا۔ جسکا کمان افسر مارک انٹونی تھا۔ متحدہ بیڑے میں کل ملاکر

صلیبی قوت

۲۰۶ جنگی جہاز اور اڑتالیس ہزار فوج تھی۔

ہلالی متحدہ بیڑا اور اسکے کمان افسر

ادھر علی العلوجی نے بربری بیڑا پیالی پاشا اور لالہ مصطفی کی کمان میں براہ راست جزیرہ سائپرس کیطرف چلتا کیا۔ اور خود دشمن کی قوت کا اندازہ کرنیکے لئے سواحل اٹلی کیطرف بڑھا۔ کیونکہ امدادی فوجوں کا مقام اتصال حوالی روم قرار پایا تھا۔ ہرچند کہ دول یورپ کی قوت مجموعی طور سے علی العلوجی پر حاوی تھی۔ مگر بربری بیڑے کا رعب کچھ ایسا چھایا کہ جب متحدہ بیڑے نے یہ سُن لیا کہ علی العلوجی سواحل اٹلی سے چلا گیا ہے اور اس خبر کی تصدیق بھی کرلی۔ تب یہاں سے جنبش کی۔ اُدھر پیالی پاشا اور

نیکوشیہ کا محاصرہ

لالہ مصطفی نے سائپرس پہنچتے ہی دارالحکومت نیکوشیہ کا محاصرہ شروع کردیا۔ یہ دین

متحدہ جہازوں کے کپتان اور کمان افسر یہاں پہنچکر خدعۃ الحرب کے مسائل حل کرتے رہے۔ اور علی العلوجی نے تمام فوجیں جہازوں سے اُتار کر محاصرہ کا خاتمہ کر دیا۔ اگر پوپ اور سپین کی فوجیں سواحل اٹلی کے قریب علی العلوجی پر حملہ کرتیں یا سایپرس پہنچکر آٹھویں نویں ستمبر کو خالی جہازوں کو لے ڈالتیں تو بربریوں کا پتہ نہ ملتا۔ مگر یہ عمدہ موقعے خازیانہ تمکنت اور شجاعانہ اداؤں میں غارت کر دیے۔ جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ نیکوشیہ کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ اور اگست ۱۵۷۱ء تک فیماغستہ جو جزیرہ سایپرس کا دوسرا مستحکم قلعہ ہے فتح ہو گیا۔ اور اسطرح بحر لیوانٹ میں وینس کی عظمت کا نام و نشان تک مٹ گیا

مسیحیوں کی غلطی

نکوشیہ پر ہلالی جھنڈا

فیاغستہ وغیرہ کی فتح

مگر علی العلوجی کو سلسلۂ جنگ منقطع ہونیکی اُمید نہ تھی۔ لہذا اُسنے بہمراہی علی پاشا جو پیالی پاشا کا قائم مقام تھا بحیرۂ اڈریاٹک سے شمشیر بکف گزر کر خلیج لیپنٹو میں لنگر ڈالا۔ اور اطمینان کے ساتھ متحدہ بیڑے کا انتظار کرنے لگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ترکی بربری بیڑے کی گزشتہ فتحمندیوں پر ضرورت سے زیادہ بھولا ہوا تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ جسطرح ۱۵۳۸ء میں شیر دل خیر الدین نے پریویسا کے قریب انڈریا ڈوریا کا بیڑا غرق کیا تھا اُسیطرح وہ آج ۱۵۷۱ء کے موسم خزاں میں اس بیڑے کو تباہ کریگا گیلے جہاز اور جنگی کشتیاں جیسے جیسے بحر اڈریاٹک کی بلوریں سطح پر لہرا لہرا کر اور کاٹ و کاٹ کا ٹکر قلعہ کی شکل میں مرتب ہوتی جاتی تھیں ویسے ویسے تجربہ کار ملاحوں اور فرسودۂ روزگار دلاوروں کو معرکۂ پریویسا کے واقعات تازہ ہوتے جاتے تھے مگر حقیقت یہ ہی کہ ہر چیز کی ایک حد ہے۔ ترکی بربری بیڑے کے شجاعانہ حوصلے

لیپنٹو

غایت بلندی پر پہنچ چکے تھے۔ اُدھر مغربی دنیا کے جہاز رانوں کا کاسۂ تذلیل بھی لبریز تھا۔ قطع نظر اسکے پریویسا اور لیپنٹو میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اُسوقت کیتھلک تسبیح کے دانے بکھرے ہوئے تھے۔ مگر اب پوپ پیس پنجم کے پرجوش اور سحر آفرین خطبوں نے انکو کثرت سے وحدت میں منسلک کردیا تھا۔ اور تمام ہمسر سلطنتوں کے مرض نفاق کا ازالہ کرکے گویا یورپ کے تن بیجان میں تازہ روح پھونکدی تھی۔ اُس وقت یورپین متحدہ بیڑے کی کمان متعدد اور مختلف الرائے سرداروں کے ہاتھ میں تھی اور اب تمام بیڑے کا سردار ایک شخص تھا۔ وہ اولوالعزم شخص جو درحقیقت "مردے از غیب بروں آید و کارے بکند" کا مصداق تھا۔

فریقین کی متضاد حالت

کیتھلک تسبیح کے دانے

ڈن جان آو اسٹریا کے نام سے ہمارے ناظرین ناواقف نہیں۔ یہ اُسی چارلس اعظم کا بیٹا تھا جسکی اَن تھک ہمت اور استقلال نے قرن وسطی کے تمام جنوبی یورپ کو بابعالی کا حلقہ بگوش ہونیسے بچایا تھا۔ ابھی بائیس برس کا تھا کہ سوتیلے بھائی فلپ نے مسلمانان اُندلس کی جلاوطنی کا کام اُسکے سپرد کردیا۔ چنانچہ کوہستان البکزرا کے تنگ و تاریک مقامات کو صدیوں کے رہتے عربوں سے یکلخت پاک کرنا اُسیکا کام تھا[۱]۔ اب صرف دو برس بعد پوپ پیس کی خوشنودی کیلئے اُسکو تمام جنوبی یورپ کی بحری قوت کا ذمہ دار ہونا پڑا۔ گو یہ سچ ہے کہ ایسی اہم ذمہ داری اُس اولوالعزم شخص کیلئے چنداں مشکل نہ تھی جو قرن وسطی کے اصول شجاعت کا پابند تھا

[۱] دیکھو تاریخ اندلس باب ۱۳۔

قرن وسطی کا معیار شجاعت

البتہ اِس زمانہ کے نامور شجاع کیلئے سخت دشوار تھی۔ کیونکہ اُس زمانہ کا معیار شجاعت یہ تھا کہ مغلوب دشمنوں کو کہیں پناہ نہیں۔ مگر اِس زمانہ کا معیار شجاعت یہ ہے کہ مغلوب دشمنوں کو مکلف و آراستہ عشرتکدوں میں رکھیں۔ اور اگر وہ زخمی ہوں تو اُنکی صحت کلی کے ذمہ دار ہوں۔

آؤ! اِس اولوالعزم امیر البحر کو اسپین میں چھوڑکر آبنائے مسینا کی سیر کریں۔ اور ایک یورپین وقائع نگار بنکر متحدہ بیڑے کا جائزہ لیں۔

آبنائے مسینا کا سین

جون ۱۵۷۱ء کی ایک مبارک صبح کو صلیبی جہازوں کے دستے آبنائے مسینا میں ہر طرف سے لہرالہرا کر داخل ہوتے جاتے ہیں۔ اور اُسکی نورانی سطح پر مربعوں کی شکل میں جمتے جاتے ہیں۔ وینس کا امیر البحر وینرو اڑتالیس جنگی جہازوں سمیت یہاں پہلے سے موجود ہے۔ عروس[2] بیڑے کا یہ صرف ایک حصہ ہے۔ دوسرا حصہ جسمیں ساٹھ کوہ پیکر جہاز ہیں۔ کولونا کے ماتحت جولائی میں آنیوالا ہے۔ نوخیز امیر البحر ابھی نہیں آیا غالبًا وہ ابھی تک اسپینش بیڑے کو مرتب نہیں کرچکا تھا۔ مگر اب بارسلونا سے چل پڑا ہے۔ اور نہایت اطمینان کے ساتھ خلیج لیون سے گزر رہا ہے۔ یہ اِس زمانہ کی خلیج لیون نہیں کہ جہاز کا بال تک بیکا نہیں ہوتا۔ بلکہ قرن وسطی کی خلیج لیون ہے جو جہاں آشوب طوفانوں کا مسکن سمجھی جاتی تھی۔ اور اِسی لئے عام جہازران یک بیک اُسکا قصد نکرتے تھے۔ ہمارا مسیحی نوجوان ہیرو خلیج مذکور سے بے تکلف گزر کر جینوا پہنچتا ہے۔ اور

[1] دیکھو اندلس باب۱۲ البکزرا کی بغاوت ۱۲ [2] ریاست وینس قرن وسطی میں عروس البحر سے ملقب کی جاتی تھی ۱۲

گیونی ڈوریاکی مہمانی سے مسرورالوقت ہوتا ہے۔ بے تکلفی کی صحبتوں میں ناچ کے
جلسوں میں اسطرح شریک ہوتا ہے کہ گویا وہ تفریحاً گھر سے نکلا ہے۔ آخر یہاں سے دوستانہ
مصافحوں کے ہجوم میں رخصت ہوتا ہے۔ راستہ میں جابجا جاسوسی کشتیوں سے اسکو اطلاع
ملتی ہے کہ ترک اور بربری صوبۂ ڈلمیشیا میں کسطرح غارتگری پھیلا رہے ہیں۔ اور دول یورپ
کے بیڑے آبنائے سینا میں باہمی شکررنجیوں میں مصروف ہیں۔ مگر اسکے استقلال اور
اطمینان میں سرموفرق نہیں آتا۔ بلکہ اُسی نستعلیق چال سے سطح آب کو طے کر رہا ہے۔ کیونکہ
وہ خوب جانتا ہے کہ دور دراز سفر میں بے جان کشتی اور جاندار گھوڑا دونوں کیلئے تیزروی
مضر ہے۔ اور یہ کہ پابزنجیر ملاحوں کی پشت پر چابک صرف اسیوقت کارگر ہوسکتے ہیں کہ
سفر مختصر ہو۔ نیپلز پہنچکر پوپ پیس اپنے دست مبارک سے ڈن جان کو علم مقدس دیتا ہے (علم مقدس اور دعائے خیر)
اور دعائے خیر کرتا ہے۔ اِس خیروبرکت کے سایہ میں مسیحی ہیرو ۳۰۔ اگست کو آبنائے مسینا
میں داخل ہوتا ہے۔ مگر لڑائی ابھی شروع نہ ہوگی۔ کیونکہ ابھی وہ موقع جنگ کو کارآزمایانہ
نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اور حملوں کے روک تھام کی تجویزیں کر رہا ہے۔ بیڑے کے کمان افسر
بلکہ دستہ دستہ اور کشتی کشتی کے کپتان کو الگ الگ ہدایت نامے لکھکر دیتا جاتا ہے
کہ کوچ کے وقت ترتیب اور انتظام نہ بگڑے۔

۱۶۔ ستمبر کو علی الصباح کوچ کا بگل بجا۔ اور ساتھ ہی صلیبی جھنڈے کو حرکت
ہوئی۔ سب سے اول نوجوان امیرالبحر اپنے خوشنما اور عظیم الشان علمبردار جہاز میں جسپر ساٹھ (آبنائے سینا سے کوچ)
ملاح کام کرتے ہیں سوار ہوکر خلیج سے نکلتا ہے۔ اسپین کا جنگی بیڑا جسمیں ۲۸۵ کوہ پیکر جہاز

صلیبی بیڑا

۹ گیلے اور ۶ گیلی سی جہاز۔ اور انتیس ہزار چیدہ جوان ہیں ڈن جان کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں
فوج کے تمام حصوں کے افسر۔ میجر سے لیکر جرنیل تک۔ اسپین جنیوا۔ وینس۔ نیپلز
روم مقدس۔ پیڈا۔ سیوائی اور سسلی کے شجاعت کے نمونے ہیں۔ مثلاً ہراول کے سات
گیلے جہاز ڈن جان ڈی کارڈونا کے ماتحت ہیں۔ قلب کی یہ شکل ہے کہ بیچ میں خود امیر البحر
۶۲ گیلے جہازوں سمیت ہی اور اُسکے دائیں بائیں مرکانٹو کلونا۔ اور وینیرو لپنے اپنے دستہ
کے ساتھ ہیں۔ یمین کے ۵۰ جہاز گیونی ڈوریا کی کمان میں ہیں۔ اور یسار کا دستہ جسمیں ۵۳
جہاز ہیں۔ بار باریگو آو وینس کے ماتحت ہی۔ ڈن الوار ڈی بیزن مع ۳۰ بڑے جہازوں کے
بطور محفوظ دستہ بیڑے سے علیحدہ ہے۔ گیلیز جہازات کا پرا سامنے جمایا گیا ہے جسمیں سے
ہر ایک پر ۵۰۰ سپاہی قرابینوں سے مسلح صف باندھے ایستادہ ہیں۔

آج گویا ۶ ستمبر کی صبح کو یہ مہیب اور زورمند بیڑا خلیج لپنٹو کیطرف چلا ہے
جو ترکی بربری جہازوں کا مقام اتصال ہے۔ آؤ! ذرا ہلالی بیڑے پر بھی ایک سرسری نظر
ڈالتے چلیں۔

ہلالی بیڑا اور فوجیں

الجزائر اور قسطنطنیہ کے متحدہ بیڑے میں کل ملاکر ۲۰۸ گیلے جہاز اور ۶۶ گیلون
جہاز ہیں۔ ان میں اول الذکر میں ۹۵ جہاز خاص قسطنطنیہ کیطرف سے ہیں۔ اور باقی مضافات
مثلاً ریاستہائے بربریہ۔ اسکندریہ وغیرہ۔ مگر گیلون تمام بربری ہیں۔ اور افسر بھی اکثر بربری

افسران جہاز

ہیں۔ مثلاً علی العلوچی پاشا۔ علی پاشا۔ شلوک پاشا۔ صرف یہ عسکر پرویز پاشا ترکی ہے۔ کل
فوج پچیس ہزار سے زیادہ نہیں۔

یورپین بیڑا پورے گیارھویں روز یعنی ۲۷ ستمبر ۱۵۷۱ء کو خلیج کارفو میں لنگر انداز ہوا۔ علی پاشا نے خبر پاکر چند جاسوس کشتیاں بھیجیں کہ دشمن کی قوت کا اندازہ کریں۔ انمیں سے ایک تیز طرار بربری جوان رات کے وقت موقع پاکر یورپین بیڑے کے عین قلب میں گھس گیا لیکن حقیقت یہ ہی کہ لڑائی کے دن تک فریقین کو ایک دوسرے کی قوت معلوم نہیں ہوئی آخر کار یکم اکتوبر کو دونوں بیڑے حرکت کرتے دکھائی دیے۔ یورپین بیڑا جنوب کیطرف۔ اور بربری شمال کیطرف بڑھا۔ ۷ اکتوبر کی صبح کو ۷ بجے جانب جنوب افق پر خلیج پٹراس کے دہانے سے باہر چند مسطول اور انپر سفید پھریرے ہوا میں لہراتے دکھائی دیے۔ مسطولوں کی تعداد آنًا فآنًا بڑھتی گئی۔ اور جب یقین ہوگیا کہ دشمن ہے تو ڈن جان نے بھی جھٹ پٹ سفید نشان ہوا میں بلند کردیا جو گویا پیام مبازرت تھا۔ جہازوں کے وسط کے تختے سپاہیوں نے فورًا خالی کردیئے۔ پھر تمام پابزنجیر حلقہ بگوش خلاصیوں کو شراب اور گوشت نہایت دریادلی سے تقسیم ہوا۔ کیونکہ بحری معرکہ آرائیوں میں کامیابی یا ناکامی کا انحصار انہی کمبختوں کی قوت بازو پر منحصر ہوتا تھا۔ پرانے پرانے ملاح جو خیرالدین اور اُسکی ذریات کے مقابلہ میں اس سے پیشتر اکثر ناکام بلیاں چلا چکے تھے اب انتقام پر تلے کھڑے تھے۔ نوعمر خلاصی جنکو زندگی بھر میں یہ سب سے پہلا موقع تھا۔ وہ بھی انتظار سے بیتاب تھے۔ اس تنت پر یورپ کے افسروں نے حسب عادت پھر وہی پرانی تجویز پیش کی کہ مجلس شورے منعقد کیجائے۔ مگر ڈن جان نے جواب دیا کہ "مشورہ کا وقت نہیں۔ یہ خیال دل سے دور کردو اور لڑنے کو تیار ہو جاؤ۔" پھر اُسنے ایک ہلکی سی کشتی میں سوار ہوکر تمام بیڑے کا جائزہ لیا۔ صلیب مقدس ہاتھ میں لئے

جاسوس کشتیوں کی جستجو

ہلال اور صلیب کا مقابلہ

مسیحی فوجیں جوش

جائزہ

ہر جہاز کو دیکھتا جاتا تھا۔ اور سپاہیوں کے حوصلے بڑھاتا جاتا تھا۔ اِسکے بعد طمیسنانی
علمبردار پر سوار ہوکر اُسنے علم مقدس بلند کیا۔ جسکے پھریرے پر مسیح کی تصویر بنی تھی۔ اور اُسکے
سامنے سربسجود ہوکر بتضرع دعا مانگی۔

اِسوقت ٹھیک ۱۱ بجے ہیں۔ آسمان کا نیلگوں چہرہ بالکل صاف و نکھرا ہوا ہے
خلیج لیپنٹو میں خوفناک سین مگر اُس سے ایک قسم کی ہیبت ٹپکتی ہے۔ تمام سمندر پر ہر طرف سکوت و خاموشی کا عالم طاری
ہے۔ حتی کہ موسم خزاں کے آفتاب کی مضمحل شعاعیں بھی پانی کی بلوریں سطح پر آہستہ آہستہ
اُترتی ہیں۔ ایک ذرا تڑپتی ہیں اور پلٹ جاتی ہیں۔ آبی جانور بھی اِس ہیبت ناک سین سے
خوف زدہ ہوکر سمندر کے تاریک و عمیق حصوں میں جا چھپے ہیں۔ کیونکہ دو برابر کے پہاڑ
آپسمیں ٹکرانے کو ہیں۔ آخر یہ مہیب سلسلہ خاموشی جنوبی بیڑے کیطرف سے منقطع ہونا شروع
قلعہ بندی ہوا۔ جہازوں کے بادبان یک بیک سمٹتے ہیں۔ بلیاں پانی میں حرکت کرتی دکھائی دیتی
ہیں۔ اور اُسکے ساتھ ہی تمام ہلالی بیڑا ایک برقی تیزی سے۔ مگر فوجی قواعد کے بموجب
جنگی قلعہ کی شکل میں مرتب ہوجاتا ہے۔ اُدھر شمالی بیڑے نے بھی آہستہ آہستہ حرکت
ترتیب شروع کی۔ اور کسیقدر متانت و سنجیدگی سے قلعہ ترتیب دیا۔ اِسطرح پر کہ جنرل بار بیگو
اپنے دستہ سمیت ساحل کے ساتھ یسار پر جمگیا۔ اور اُسکے برابر ڈن جان کا دستہ قلب قائم
ہوا۔ مگر دایاں بازو غیر مستعد تھا۔ اِسلئے کہ گیونی ڈوریا یمین دستہ کو لیکر خدعۃ الحرب کے مسائل
حل کرنے اِدھر اُدھر چلا گیا تھا۔ اور اب تک کہیں اُسکا پتہ نشان نہ تھا۔

ہلالی بیڑے کی ترتیب ہلالی بیڑا قریبًا ایک میل لمبا اور اُنہی معمولی تین حصوں پر منقسم تھا یعنی قلب

یمین ویسار۔ پھر عقب پھر ندو یعنی محفوظ دستہ تھا۔ مگر یورپین بیڑے کی طرح ہراول میں گیلیز جہازات کا پرانہ تھا۔ افسروں کا تعین اس طرح پر تھا کہ شلوک پاشا یمین پر باربارگو کے بالمقابل۔ علی پاشا قلب میں ڈن جان کے مقابل۔ اور علی العلوجی پاشا یسار پر یورپین بیڑے کے اُس دستہ جہازات کے مقابل تھا جسکی کمان گیوفی ڈوریا کے سپرد تھی۔ اور چونکہ ڈوریا کا اسوقت تک کہیں پتہ و نشان نہ تھا اسلئے اِدھر کا میدان خالی تھا۔ گویا یہانتک دونوں طاقتیں برابر تھیں۔ اگر ہلالی بیڑے کا ہراول گیلے جہازات سے خالی تھا۔ تو صلیبی بیڑے کا یمین کمزور تھا۔

افسروں کا تعین

ٹھیک ۱۱ بجے یورپین بیڑے کیطرف سے افتتاح جنگ کی توپ سر ہوئی اور اسکے ساتھ ہی ہراول کے گیلے جہازات نے اس شدت کی آتشباری کی کہ ہلالی جہازوں کے پرخچے اُڑنے لگے۔ اور اگر شلوک پاشا برابر سے نہ نکلتا تو کچھ شک نہیں کہ ہلالی قوت اس پہلے ہی وار میں بہت زیادہ مضمحل ہوجاتی۔ اُسنے اپنے یمین کی لمبی قطار بناکر نہایت تیز قدمی سے گیلیز جہازوں کو جالیا۔ اور اُنکو مارکر پیچھے ہٹادیا۔ یہ دیکھکر انکا یمین اور اُنکا یسار اس تیزی سے زور آزمائی کیلئے بڑھا کہ معلوم ہوتا تھا گویا دو برابر کی طاقتیں غیر متمیز جسم بنکر آپس میں ٹکرا رہی ہیں۔ یورپین جہازات ہر مرتبہ دلاورانہ آگے بڑھتے تھے۔ مگر ہر مرتبہ پسپا کردیے جاتے تھے کمانوں اور بندوقوں سے کچھ نہو سکا تو تلواریں فیصلہ کیلئے نیاموں سے نکلیں۔ افسر اور ماتحت میں کچھ تمیز نہ رہی۔ تمام سطح آب تلوار کا کھیت بنگیا۔ اس خونریز کشمکش میں دونوں طرف کے افسر۔ اِدھر شلوک پاشا۔ اُدھر سے باربارگو مقتول ہوئے۔ اور گو بالآخر ہلا

افتتاحی توپ

خونریز کشمکش

باربارگو اور شلوک پاشا کا قتل

یورپین بیڑے کے ہاتھ رہا۔ مگر سخت نقصان ہوا۔ بہت سے جہازات غرق ہوئے۔ اور بیشمار دلاور کام آئے۔

میدان ہاتھ سے جاتا دیکھکر ہلالی قلب کو یک بیک حرکت ہوئی۔ اور علی پاشا

علی پاشا کا حملہ

بخط مستقیم ڈن جان کے کپتانہ پر جھکا۔ اس تیزی سے کہ دلاوران اسپین کو سنبھلنے کی مہلت بھی نہ ملی۔ اور دونوں جہاز ایک طرفۃ العین میں ٹکرا کر الجھ گئے۔ اگرچہ یہ ایک اتفاق محض

تصفیہ قلوب

تھا۔ مگر اس سے دونوں قلبوں کو آپسمیں تصفیہ کرنیکا خوب موقع ملا۔ کیونکہ علی پاشا کے جہاز کا اگلا سرا ڈن جان کے خلاصیوں کے چوتھے تختہ تک پہنچکر اسطرح الجھ گیا کہ دونوں کے ڈیک (تختہ جسپر سپاہی کھڑے ہوتے ہیں) آپسمیں ملکر ایک ہوگئے۔ یہ کیفیت دیکھکر ادھر سے پرویز پاشا اور ادھر سے کولونا اور وینیرو اپنے جہاز لیکر امداد کیلئے بڑھے۔ مگر جلدی میں وہ بھی

عقد ثریا

اسی گچھے میں الجھ گئے۔ اور اب گویا ان پانچوں جہازوں کے ڈیک ایک دوسرے سے ملکر

اکھاڑا

ایک وسیع اکھاڑا بنگیا۔ دلاوران اسپین نے دو دفعہ حملہ کیا۔ مگر دونوں دفعہ بری طرح پیچھے دھکیل دیے گئے۔ تیسری مرتبہ خود علی پاشا چند جانبازوں سمیت ڈن جان کے ڈیک پر

گھمسان کی لڑائی

شمشیر بکف اترتا ہے۔ وہ دیکھو ایک گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی۔ دست و گریباں کی نوبت پہنچگئی۔ ہر طرف طوفان بے تمیزی برپا ہے۔ قواعد و مدارج کا کچھ لحاظ نہیں۔ وہ دیکھو کولونا نے اپنے جہاز سے علی پاشا کے جہاز کے پچھلے حصہ میں کس زور سے ٹکر لگائی ہے کہ خلاصیوں کے تیسرے تختہ تک صدمہ پہنچا۔ اب قرابینیں نکلی ہیں۔ ہلالی جہاز آگ کے شعلوں میں ملتبس دکھائی دیتا ہے۔ یورپین دستہ چونکہ آتشبار آلات سے مسلح تھا۔ انکے جہاز بھی آہن پوش تھے

ہلالی جہاز والوں کے پاس زرہ۔ بکتر۔ خود۔ یا چھرّہ وغیرہ آلات حفاظت میں سے کچھ

فیصلہ — نہ تھا۔ بلکہ عام آلات حرب میں بھی کمانیں بکثرت تھیں۔ کولونا کے آتشبار منجنیقوں اور قرابینوں

علی پاشا کا قتل — نے بالآخر معاملہ کو جلد یکسو کر دیا۔ یکایک علی پاشا مقتول ہوا۔ اور اب صرف گھنٹہ دو گھنٹے کی

خونریز کشمکش کے بعد ہلالی یمین کا باقی حصہ بھی مضمحل اور منتشر ہو گیا۔

ہلالی علمبردار جہاز پر صلیبی پھریرا لہراتا دیکھکر پرویز نے محفوظ دستہ لیکر حملہ کیا

جسمیں اگرچہ وینیر وسخت زخمی ہوا۔ مگر انجام کار پرویز کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یورپین جہاز اس بڑی

دوسری کشمکش — کامیابی پر ابھی پوری طرح ناز بھی نہ کرچکے تھے کہ علی العلوجی پاشا نے یسار کی پوری قوت

لیکر یورپین قلب پر اس تیزی سے حملہ کیا کہ تمام جہاز منتشر ہو گئے۔ مالٹا والوں نے کچھ

مقابلہ کیا۔ مگر علی العلوجی کے جانباز حیرت انگیز دلیری سے اُنکے علمبردار جہاز پر چڑھ گئے

اور تمام اہل جہاز کو تہ تیغ کر ڈالا۔ صرف پچاس آدمی فرقطون کے سہارے بچے۔ یہ دیکھکر

کارڈونا اپنا دستہ لیکر مجاہدین کا بدلہ لینے بڑھا۔ مگر اُسکا بھی یہی حشر ہوا۔ اُسکے پانسو

آدمیوں میں سے صرف سترہ بچے۔ اسوقت ایک عجیب متضاد سین پیش نظر تھا۔ ایک

متضاد سین — طرف ہلالی قلب پر صلیبی پھریرا لہراتا تھا۔ دوسری طرف مالٹا اور کارڈونا کے علمبردار پر

ہلالی علم نصب تھا ہر فریق اپنے آپ کو فتحمند سمجھتا تھا۔ بالآخر مارکوئیس سانٹا کرز اور ڈان جان

نے اپنے اپنے دستوں سمیت آگے بڑھکر علی العلوجی کو گھیر لیا۔ اور ایک آخری اور سخت

شکست فاش — کشمکش کے بعد ترکی بربری بیڑے کو شکست فاش ہوئی اُدھر صلیبی بیڑے کو گو فتح ہوئی۔

مگر نہایت سخت قیمت دیکر۔ کوئی جہاز سلامت نہ رہا۔ دس ہزار آدمی کام آئے۔ اٹلی اور سپین کے

طونس

شہر اور بندرگاہ



شجاع خاندانوں کے نامور قتل ہوئے۔ سترہ افسر وینس کے اور ساٹھ مجاہدین بیت المقدس کھیت رہے۔

جنگ کا انجام

ادھر قیامت انگیز جنگ لپنٹو کے خاتمہ پر معلوم ہوتا تھا کہ قسطنطنیہ اور الجزائر کا بحری اقتدار ہمیشہ کیلئے خاک میں ملگیا۔ اور کچھ تعجب بھی نہیں۔ کیونکہ تمام گیلیٹ، پندرہ گیلیے غرقاب ہوئے۔ اور قریبًا ایک سو نوے گرفتار ہوئے۔ ہزاروں دلاور مقتول اور غرق ہوئے مگر حقیقت یہ ہے کہ اولوالعزم افراد کیطرح اولوالعزم قومیں بھی زندگی کے شکست و ریخت سے دل شکستہ نہیں ہوتیں۔ وہ جب گرتی ہیں اُٹھنے کیلئے گرتی ہیں۔ چنانچہ اِس نقصان عظیم کی تلافی میں صرف دو سال خرچ ہوئے۔ اور جب تیسرے برس ۱۵۷۴ء میں علی العلوجی بحیثیت کپتان پاشاہلالی بیڑے کی کمان لیکر ٹیونس کیطرف بڑھا تو دو سو پچاس جنگی جہاز۔ دس سو بن یا گیلیز۔ اور تیس جنگی کشتیاں ہمرکاب تھیں۔

ٹیونس پر حملہ

ٹیونس کو اگرچہ علی العلوجی نے ۱۵۶۹ء میں اہل اسپین سے انتزاع کر لیا تھا مگر ۱۵۷۳ء میں ڈن جان نے پھر فتح کر کے مضافات کارڈوا (قرطبہ) میں داخل کر لیا تھا۔ جنگ لپنٹو کیطرح محاصرہ ٹیونس کے تفصیلی کوائف بھی خالی از دلچسپی نہیں۔ مگر اِس خوف سے

محاصرہ اور فتح

کہ مبادا علی العلوجی اور اُسکے رفیقوں کی شجاعت پر یورپین مورخوں کے خلاف مزاج زیادہ آب و تاب آجائے صرف نتیجہ آخر پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ اسپنش قلعہ کی فوج اور نامور جنرل سربلین نے دم واپسیں تک بڑی دلیری سے محاصرین کا مقابلہ کیا۔ اور جب اُنکی تعداد نہایت کم ہوگئی تو دبزور شمشیر نہیں بلکہ بطیب خاطر

قلعہ کا دروازہ کھولدیا[1]۔ اور ترکی امیر البحر نے مظفر و منصور داخل ہوکر اور خزانہ اور میگزین پر قبضہ کرکے سلطان مراد ثالث کو باضابطہ رپورٹ بھیجدی۔

اِسی اثنا میں بابعالی اور شاہ ایران میں حدبندی کی بنا پر جنگ چھڑ چکی تھی اسلئے علی العلوجی کو تیونس کی فتح سے فارغ ہوکر ایران کیطرف اقدام کرنیکا فرمان ملا۔ اور یہاں وہ بحیرہ ابوکزن میں عرصہ دراز تک ایرانی بیڑے سے لڑتا رہا۔ اگرچہ ان لڑائیوں کا نتیجہ آخر یہ ہوا کہ ۱۵۹۰ء میں ایک صلحنامہ کی رو سے صوبہ جارجیہ۔ تبریز۔ اور وہ اضلاع جو بحیرہ کیسپین کے جنوبی ساحل پر واقع ہیں۔ ترکوں کے قبضہ میں آگئے۔ مگر یہ بہت بعد کا واقعہ ہے علی العلوجی ۱۵۸۷ء میں انتقال کرچکا تھا۔

علی العلوجی کی وفات

کپتان پاشا علی العلوجی جسکا لقب مُوذن زادہ بھی تھا الجزائر کا سترھواں پاشا تھا۔ ۱۵۶۸ء میں مقرر ہوا۔ مگر چار برس بعد ۱۵۷۱ء میں لیپنٹو کی لڑائی کی وجہ سے اُسکی خدمات براہ راست بابعالی میں منتقل ہوگئی تھیں۔ خیرالدین اور طرغد کیطرح یہ بھی نہایت کارآزما اور مشہور امیر البحر گزرا ہے۔ وفات کے وقت مُوذن زادہ کی عمر ۷۲ برس کی تھی۔

[1] لین پول دا باربری کورسیرز صفحہ ۱۸۲۔ فریق مخالف کی شجاعت کا اعتراف نکرنا مورخین یورپ کا شعار ہے

دسواں باب

قرن وسطی کے بحری قزاق - انکی ترکتاز کشتیاں اور جنگی جہاز پابزنجیر و حلقہ بگوش خلاصی - انکی اصلیت اور حالات محاربہ

اگرچہ مقدمہ میں خصوصًا اور متن کتاب میں عمومًا جابجا اِسطرح کے واقعات سلسلہ بیان میں آگئے ہیں - جنسے صریحًا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرن وسطی کی بحری غارتگری اہل بربر کی خانہ زاد نہ تھی بلکہ عطاے غیر تھی - اور اِس عطیے سے بدرجہ اولی مستفید ہونا بھی بربر کی پنج میل قوم کو سولھویں صدی کے اخیر میں کہیں جاکر نصیب ہوا ہے - ورنہ غارتگری ابتداءً بیشتر اقوام یورپ کا شعار رہا ہے - جنمیں یونان اور روڈس کو سب سے زیادہ یدطولی حاصل تھا لیکن پھر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ باب ہذا کے ذیل میں ان امور پر پھر ایک مرتبہ سرسری نظر ڈالیں - اور تاریخانہ شہادتوں سے ثابت کریں کہ اگر جلاوطن اُندلسیوں کے جوش انتقام سے قطع نظر کیجائے (اِسلئے کہ وہ ایک متنزل اور ازپا افتادہ قوم کے افراد تھے) تو اقصاے مغرب میں یہ بلائے بیدرماں اُنیسویں صدی کے آغاز تک صرف جنوبی یورپ کی بعض قوموں کی بدولت نازل رہی -

غارتگران بربر کی اصلیت

اب اِس بڑے دعوے کے ثبوت میں صرف اسیقدر بتادینا کافی ہوگا کہ بربر کے نامور جہازراں اور فرمانروا خواہ اُنھوں نے مذہب و قومیت تبدیل کرلی یا صورتیں بدل لیں مگر فی الاصل یورپین تھے - اور یورپین خلاق رکھتے تھے چنانچہ عروج اور خیرالدین

دعوے کا ثبوت

بار بروسکی نسبت یورپ کے نامی مورخ متفق الرائے ہیں کہ وہ لزبس میں پیدا ہوئے بلوائیک یونانی ماں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ مگر چونکہ اُنکا باپ یعقوب سلمان تھا لہذا ہمارے لئے اِس رائے سے اختلاف کرنیکی کافی وجہ نہیں۔ اِن کے بعد جسقدر نامور شخص الجزائر میں گزرے اُنمیں بکثرت نو مسلم تھے جو کسی نہ کسی یورپین خطہ یا معزز عیسائی خاندان سے تھے مثلاً

ناموری کپتانوں کی فہرست معہ وطن اور مذہب

نام	وطن	اصلی مذہب	نام	وطن	اصلی مذہب
طرغد پاشا	قرمانیہ	عیسائی	صالح رئیس	•	•
صنغان رئیس	سمرنا	یہودی	اید الدین رئیس	•	•
علی العلوجی پاشا	کلیبیریا	عیسائی	رمضان پاشا	سارڈینیا	عیسائی
حسن پاشا	وینس	"	جعفر پاشا	ہنگری	"
میمی پاشا	البانیا	"	پیالی پاشا	کروشیہ (قروشیہ)	"
مراد رئیس	فرانس	"	دیلی میمی	یونان	"
مراد رئیس	اسپین	"	یوسف رئیس	اسپین	"
قھرمز رئیس	جنیوا	"	مراد رئیس	البانیا	"
مراد رئیس	جرمنی	"	میمی رئیس	کورسیکا	"
میمی رئیس	کلیبیریا	"	ممتاز رئیس	سسلی	"

نوٹ۔ دیکھو لین پول صفحہ ۱۸۵ و تاریخ ہیڈو صفحہ ۱۸۔ ہیڈو نے ۳۵ کپتانوں کی ایک فہرست لکھی ہے جن میں قریب قریب تمام کپتان عیسائی تھے مگر مسلمان ہوگئے تھے یہ بیس نام اسی فہرست سے منتخب کئے گئے ہیں۔

یورپ پر غارتگروں کا حملہ

یورپ سے اِن غارتگروں کا نزول اسطرح پر ہوا کہ اول اول جنگ و جدل میں غلام بنکر آئے۔ دولتمند اور ذی اثر خاندان سے ہوئے اور لواحقین کو معلوم ہوگیا تو فدیہ دیکر آزاد ہو گئے۔ صرف تبدیل مذہب ایک لازمی نتیجہ تھا۔ ساحل بربر کی ولولہ انگیز زندگی پر ایک مرتبہ قناعت کر کے جب انکا خیال حصول معاش کیطرف مائل ہوتا تو غارتگری سے بہتر کوئی ذریعہ انکو نہ سوجھتا۔ اور اسطرح یہ بہت جلد ایک چھوٹے سے لٹیرے گروہ کے سردار بنجاتے۔ بعد کو جب خاندان باربروسے نے الجزائر میں جمکر سطوت و جبروت حاصل کر لی تو یہ نوبت پہنچی کہ یورپ کے ملکوں کے منچلے جوان ارادہ کر کے بربر میں آتے اور باربروسہ کے

زمانہ کا غارتگرانہ گوشہ چشم

ظل حمایت میں داخل ہوتے۔ کیونکہ زمانہ کا غارتگرانہ گوشہ چشم اب روز بروز نمایاں طور پر یورپ سے افریقہ کی طرف پھرتا جاتا تھا۔ لہذا قرن وسطی کے شجاعانہ حوصلے نکالنے کا اِس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہ تھا کہ بربری گیلے کو دامن شفقت بنائیں۔ گو ایک مرتبہ حلقہ بگوش بنکر بازار میں بکنا پڑے یا پابزنجیر خلاصی ہوکر بلیاں چلانا پڑیں۔ جب کوئی سخت مفسد مادہ ایک مرتبہ جسم میں جاگزین ہوجاتا ہے تو پھر وہ آپ ہی اپنا سبب اور آپ ہی اپنا مسبوب بنجاتا ہی قوموں کے اخلاق کیحالت بھی یہی ہے۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم بربر کی پنچ میل قوم کو

غارتگری کی علت اولی

اِس کلیہ سے مستثنے کریں۔ قرن وسطی کی رسم جنگ جسکے بموجب مغلوب دشمن غلام بنالیے جاتے تھے۔ اِس مفسدہ کی علت اولی اور قوت متحرکہ تھی جنگ جسکا یہ نامعقول انجام تھا اُسکا آغاز بھی کچھ ایسا معقول نہوتا تھا۔ یونانی صرف اِس عذر پر شوقین سیاح کی کشتی یا

سلہ لین پول صفحہ ۲۰۰ تا ۲۰۱

جنگ کے عام اسباب — دولتمند تاجر کا جہاز لوٹ لیتے تھے کہ وہ آرکی پیلگو سے کیوں گزرا۔ مجاہدین بیت المقدس کے
حملوں کی معقول سے معقول وجہ جو اس زمانہ کے مہذب مورخ فخراً بتلاتے ہیں۔ وہ مذہبی
تعصب ہے[1]۔ لیکن تاریخانہ تدقیق اور ریشہ دوانی میں جب یہ پتہ ملتا ہے کہ اکا دُکا مسیحی جہاز
بھی اُنکے دست تطلم سے نہ بچتا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ غارتگری کو بُرا ہی نہ سمجھتے تھے
زیادہ معقول سبب — ہمارے نزدیک یہ زیادہ معقول وجہ ہے۔ اسلئے کہ بُرے کو اچھا بنا لینے کا سہل تر طریقہ
یہ ہے کہ اُسکو بُرا سمجھنا چھوڑ دیں۔ وینس۔ جنیوا۔ پیسا۔ اراگون وغیرہ تجار ریاستیں آپسمیں
تقابل — حریف و متقابل تھیں۔ اسلئے ایک دوسرے پر ہاتھ صاف کرتی رہتی تھیں۔ اسپین۔ فرانس
جیسی بڑی بڑی سلطنتیں بھی تقابل سے خالی نہ تھیں۔ اور اجیر غارتگروں کو عداوتاً ایک
یورپ کا مشہور غارتگر خاندان — دوسرے پر مسلط رکھتی تھیں۔ مثلاً خاندان ڈوریا[2] جو تین پشت تک مسلسل غارتگری کرتا
رہا۔ خاصکر عثمانی مضافات پر نیز سواحل الجزائر اور فرانس پر۔ یا مجاہدین بیت المقدس
مذہبی غارتگر — جو یورپ بھر کا خرِ وار شجاعت اور مسیحی دنیا کا مقدمۃ الجیش تھا۔ بعینہ یہی اسباب غارتگری
بعد کو اقصائے مغرب میں منتقل ہو گئے۔ صورت ضرور متغیر تھی۔ مذہب۔ قومیت بھی
بظاہر وہ نہ تھی۔ مگر معنی۔ خصلت بجنسہ وہی تھی۔ بربری خول چڑھا کر بھی وہ اُسی پرانی وضع
پر شکار کی تلاش میں سمندر میں جابجا منڈلاتے پھرا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا اسباب میں سے جب کوئی سبب واقع ہو کر ایک مرتبہ
سلسلہ جنگ چھیڑ دیتا تھا تو پھر برسوں بلکہ بعض صور تو نمیں شاید قرنوں یہ سلسلہ منقطع نہوتا تھا

---

[1] دیکھو باربری کورسیر مصنفہ لین پول صفحہ ۲۹۰۔ [2] انڈریا ڈوریا۔ رنگر ڈوریا۔ کیو فی ڈوریا۔

دوران جنگ میں فریقین کا طریق عمل

اور فریقین کو جنگ کے فوری سکون پر بھی تسکین نہ ہوتی تھی۔ بلکہ ایک دوسرے کے مضافات پر اسطرح کے غارتگرانہ حملے شروع کردیتے تھے جنکو اِس تہذیب کے زمانہ میں بزدلانہ حملے کہتے ہیں۔ فریقین خواہ یورپ کی دو قوتیں ہوتیں۔ یا اقصائے مغرب اور اسپین ہاتے بہر نوع یہ حملے کسیقدر رنگ و روپ کی نسبت پر نہایت سفاکانہ ہوتے تھے۔ جنکا محض یہی مقصد ہوتا کہ کسی غیر جزیرہ یا ساحل کے شہر کے باشندوں پر یک بیک جا پڑیں۔ اُنکا گھر بار لوٹ لیں۔ اُنکو اور اُنکے بیوی بچوں کو پکڑ کر غلام بنالیں۔ اُنمیں سے چالاک اور مضبوط جوان چُنکر اُن سے خلاصیوں کا کام لیں۔ اور اسطرح ایک جدید بیڑا مرتب کرکے مدمقابل کو پیام مبارزت دیں۔ چنانچہ بربری کشتیوں پر یورپین غلام خلاصی اور

چہرہ شجاعت اور اُسکے خط و خال

یورپین کشتیوں پر بربری خلاصی۔ گویا قرنِ وسطیٰ کے چہرۂ شجاعت کے نہایت ہی نمایاں خط و خال تھے۔ .

فن جہاز سازی میں ترقی

عربی النسل جسطرح افریقہ میں غارتگری لائے۔ اسیطرح فن جہاز سازی بھی لائے جہاز گو قدیم سے تھے۔ مگر غارتگرانہ اغراض و مقاصد کیلئے جن ہلکے۔ مختصر اور سبکرفتار کشتی نما جہازوں کی ضرورت تھی وہ اواخر سولھویں صدی میں یورپین کاریگروں نے ایجاد کئے۔ چنانچہ آئندہ معلوم ہوگا۔

نئی قسم کے جہاز

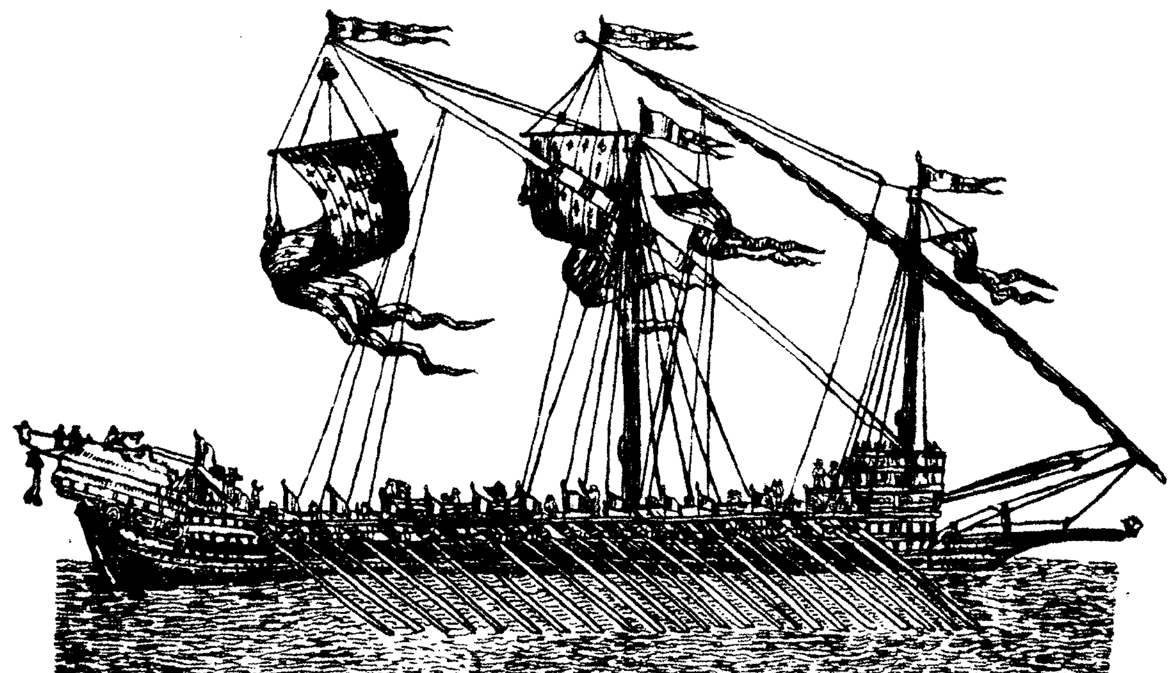
اِن جہازوں کے مستول بہت اونچے نہوتے تھے اور نہ ایک یا دو سے زیادہ کشتیوں کیطرح لمبے زیادہ اور چوڑے کم۔ بادبان بھی زیادہ سے زیادہ دو ہوتے تھے اور سلامتی صرف خلاصیوں کی قوت بازو پر منحصر تھی۔ اُنکی تین

جہاز کی قسمیں

قسمیں تھیں۔ گیلے یعنے پُورا جہاز۔ گیلیٹ یعنی آدھا جہاز۔ برگنٹین یعنی چوتھائی جہاز

خرقطعہ ایک اور چھوٹی اور ہلکی سی کشتی تھی جسکو ڈونگا کہنا چاہیئے۔ ایسے ہی ایک شیبک تھا
ان میں تمثیلاً گیلے کو لو۔

گیلے یہ گویا پورا جہاز ہے۔ اور فرض کرو کہ اہل مالٹا کا علمبردار ہے جو مجاہدین سیمی مجاہدین کا گیلے
بیت المقدس مشہور ہیں۔ اسمیں دو مسطول ہیں۔ اگلے پچھلے حصوں پر جو بالترتیب پیشین و
پسین کہلاتے ہیں مختصر ڈک (تختہ) ہے پیشین پر مسلح سپاہی۔ چار توپیں اور توپچی ڈک
قرناوالے اور بادبان بردار اپنے اپنے قرینہ سے پرے باندھے کھڑے ہیں۔ پسین پر
اسطرف مجاہدین کے فوجی اور ملکی نامور افسر زرق برق وردیاں پہنے کسیقدر غازیانہ
تمکنت مگر غارتگرانہ جبروت سے جلوہ افروز ہیں۔ اور پچھلی طرف ایک شاندار چتر کے سایہ
میں کپتان یا ناخدائے جہاز جلوہ فرما ہے۔ چتر کے سُرخ ریشمی مشجر اور زردوزی غلاف پر جسکے
گرد زریں جھالر ٹکا ہے جب دور سے نظر پڑتی ہے تو بلا مبالغہ مریخ کا دھوکا ہوتا ہے مریخ
اصل یہ ہے کہ سُرخ رنگ کو غارتگران مالٹا کی خونریز مشاغل زندگی سے خاص نسبت ہے چتر کے
عین وسط سے علم مقدس بلند ہوتا ہے جسکا سرخ ریشمی پھریرا آتشین ناگن کیطرح ہوا میں علم مقدس
لہرا رہا ہے۔ اسکے علاوہ جہاز پر اَور چھوٹے چھوٹے جھنڈے بھی ہیں۔ مگر انکے رنگ ہر
قوم کے مطابق جداگانہ ہیں۔ سب سے پیچھے عین کنارہ پر جو پسین کی چھت سے کسیقدر بلند ہے
ایک اور منصبدار کی جگہ ہے یعنی معلم جہاز۔ جسکا یہ کام ہے کہ سُکان جہاز کو ایک لکڑی کے
ڈنڈے سے گھما کر جہاز کو جسطرف ضرورت ہو لیجائے۔ پیشین اور پسین کے درمیان جسقدر
حصۂ جہاز ہے وہ گویا جہاز کی قوت محرکہ کا خزانہ ہے۔ اسکے دونوں طرف طول میں ستائیس



سولھویں صدی کا گیلے

ستائیس تختے تھوڑے فاصلہ پر نصب ہیں۔ ہر تختہ پر کم سے کم چار اور زیادہ سے قوت بونکا خزانہ
زیادہ چھ حلقہ بگوش اور پابزنجیر خلاصی۔ ۵ افٹ لمبی ایک بلی ہاتھ میں لئے جہاز کو کھیتے ہیں
تختوں کی دونوں قطاروں کے بیچ میں بطول ایک خالی جگہ ہے۔ جسپر دو جلاد لمبے لمبے جہازکے جلاد
چابک ہاتھوں میں لئے ٹہل رہے ہیں۔ چونکہ یہ ایک مسیحی جہاز ہے۔ اسلئے تمام خلاصی ترک
ہیں۔ بربری ہیں۔ یا اُندلسی۔ اگر بربری جہاز ہوتا تو یہ مسیحی ہوتے۔ تختہ پر یہ پابزنجیر اسطرح کئے پابزنجیر خلاصی
گئے ہیں کہ آہنی زنجیر کا ایک سرا تختہ میں جڑا ہے اور دوسرا خلاصی کی کمر سے پٹکے کی
طرح بندھا ہے۔ یہ نئی ترکیب کی پابندی جو گویا اجبار کا غایت درجہ ہے۔ حفظ ماتقدم کے
خیال پر مبنی ہے۔ یعنی جب دو مخالف سمندر میں زور آزمائی کرتے تھے اور ہر فریق کے
حلقہ بگوش خلاصی اپنے ہمقوم کے مقابلہ میں کشتیاں کھینے پر مجبور ہوتے تھے تو اکثر
موقع پاکر فریق مخالف سے جا ملتے تھے۔ اب پابزنجیر ہونیکی صورت میں یہ ممکن نہیں۔

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ابتدا میں تمام جہازوں اور کشتیوں پر عموماً
اجیر خلاصی کام کرتے تھے۔ خاصکر بربر میں قدیم الایام سے یہی دستور تھا چنانچہ پندرھویں
صدی کے اختتام تک جلاوطن اندلسی اسپین کے سواحل پر انتقاماً غارتگرانہ حملے کرتے
تو اپنے برگنٹین خود کھیتے[1] تھے۔ کیونکہ یہ چوتھائی جہاز کے برابر گویا ایک ہلکا سا کشتی نما جہاز
تھا۔ اور ایک بلی پر ایک شخص کی قوت بازو کافی تھی۔ البتہ گیلیٹ یعنی نصف جہاز پر دو تین
آدمی فی بلی کام کرتے تھے۔ اور اسیطرح گیلیے پر پانچ پانچ یا چھ چھ آدمی فی بلی۔ ان صورتوں میں

[1] لین پول ۲۴۴۔

ہمیشہ خلاصیوں کو اُجرت دیجاتی تھی۔ اور ملاحی غلامی نہ تھی۔ لیکن ابتدا میں بر گنٹین ہی بہت مستعمل ہوتے تھے۔ اور سچ یہ ہے کہ کمبخت اُندلسیوں کو جوش انتقام نکالنے کیلئے گیلی یا گیلٹ کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی۔ البتہ یورپ کے جنوبی بحور میں غارتگری بہت پہلے سے موجود تھی۔ اور اسلامی ممالک کی بدولت غلام خلاصیوں کا دستور بھی پہلے سے تھا۔ اگر غلام ہاتھ نہ آتے تو جن لوگوں کو سنگین جرم میں بامشقت قید کی سزا دیجاتی۔ اُن کو گورنمنٹ ملک سے خرید لیا جاتا۔[۵]

خلاصیوں کی حالات مجاریہ

خلاصیوں کے حالات مجاریہ کا اندازہ کرنا ہو تو فرض کرو کہ ایک تختہ پر اسطرح کے چھ انسان مادرزاد ننگے۔ جانوروں کیطرح زنجیروں میں بندھے ہوئے۔ ایک نہایت وزنی بلّی قریباً ۱۵ فیٹ لمبی ہاتھ میں لئے۔ ایک پیر اگلے چھجہ پر۔ دوسرا تختہ پر۔ ہاتھ پھیلائے

عجوبہ کشمکش

ہوئے کبھی پیچھے کو اسقدر تنگھرٹتے ہیں۔ کہ پچھلی طرف بالمقابل جو خلاصی اسی کشمکش میں مصروف ہیں۔ اُنکی پشتوں کو مس کر جاتے ہیں۔ کبھی آگے کو جھک کر بلّی کے سرے کو پانی میں اس قدر ڈباتے ہیں کہ پانی اُسکو پکڑ لیتا ہے۔ اور پھر تختہ پر تمام جسم کا زور ڈالتے ہیں۔ وہ دس بارہ بارہ بلکہ کبھی کبھی بیس بیس گھنٹہ مسلسل یہی کشمکش رہتی ہے۔ ایک لمحہ کو سکون نہیں ہوتا۔ جب شدت فاقہ سے جاں بلب ہوتے ہیں تو سد رمق کیلئے نہیں بلکہ صرف غشی سے بچانیکے لئے کوئی خدا ترس ملاح یا جلاد روٹی کا ایک ٹکڑا شراب میں بھگا کر کمبخت خلاصی کے منہ میں رکھدیتا ہے۔ اور یہ اتنی سی تسکین سے تازہ دم ہو کر پھر وہی عرق ریز

[۵] لین پول صفحہ ۲۲۱

کشمکش شروع کر دیتا ہے۔ کبھی ایسا اتفاق بھی ہوتا ہے کہ خلاصی اِس جانکاہ محنت سے تھک کر اور لڑکھڑا کر تختہ پر گر جاتا ہے۔ یہ دیکھکر کشتی کا جلاد اُسکی پیٹھ پر اس بیدردی سے چابک برساتا ہے کہ یا تو وہ مرجاتا ہے۔ اور یا بالکل بیہوش ہوجاتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اُسکو بارگراں سمجھکر بے گور وکفن پانی میں پھینکدیتے ہیں

بے گور وکفن

جب ایک فریق دوسرے فریق کا سمندر میں تعاقب کرتا تھا تو کمبخت خلاصیوں پر گویا قیامت نازل ہوتی تھی۔ چند بھوکے ننگے انسانوں کا ایک گروہ جنکی پشتیں سنگدل جلادکے چابکوں سے پاش پاش اور پنڈلیاں آہنی زنجیروں کی رگڑ سے لہولہان۔ تمام تمام دن تمام تمام رات۔ بلیاں ہاتھوں میں لئے سمندر جیسی مہیب طاقت سے کشمکش کرتے ہیں۔ زیردست فریق ناامیدی کے جوش سے بہوت جان مال کے لئے پریشان ہے اُدھر زبردست فریق بڑی بیرحمی سے تعاقب کئے چلا آتا ہے۔ اور فتحمندی کے جوش مسرت سے بیخود ہے۔ چونکہ ہر فریق کی کامیابی اپنی کشتی کے خلاصیوں کی قوت بازو پر منحصر ہے اسلئے دونوں طرف انہی کمبختوں کی پشتوں پر بیدریغ چابک برستے ہیں۔ اِس قسم کی شکاری کشتیاں یا جہاز اکثر چھ چھ مہینے میں سمندر کا دورہ کرکے واپس آتی تھیں۔ اِس عرصہ میں خلاصیوں پر دن رات یہی آفتیں نازل رہتی تھیں[1]۔ کشتی کا یہ حصہ بلا مبالغہ گور غریباں کا نمونہ تھا۔ بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھکر۔ ہر تختہ اسقدر تنگ اور ناکافی ہوتا تھا کہ اُسپر پاؤں پھیلا کر بیٹھنا یا لیٹنا تو درکنار کشتی کھیتے وقت کشمکش بھی مشکل سے ہوسکتی تھی۔ چنانچہ اُس زمانہ کی فرانسیسی کشتیوں کے

دو مخالف جہازوں کا تعاقب

[1] مارگن صفحہ ۵۵

تھے عموماً دس فٹ سے زیادہ لمبے اور چار فٹ سے زیادہ چوڑے نہوتے تھے۔ اور یہ چالیس فٹ مربع جگہ سات غلاموں کیلئے تھی۔[۱] خاص حالتوں کو نظرانداز کریں تو ہر غلام بحساب اوسط بیس برس جہاز پر کام کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی تمام عمر یونہی زندہ درگور گزر جاتی تھی۔

غارتگری کے معلم

ہم ناظرین کو احتیاطاً یاد دلاتے ہیں کہ یہ بھیانک تصویر ایک یورپین جنگی جہاز کی ہے۔ یعنی مجاہدین بیت المقدس کی۔ اور اِس مصلحت سے پیش کیگئی ہے کہ پیشہ غارتگری کے موجد و مجدد اول یورپین ممالک کے سواحل پر سربلند ہوئے۔ اُس خوفناک دَور کی ابتدا سے بہت پیشتر جسکو سر آرچل پلے فر "مسیحی دنیا پر عذاب الیم" کے لرزانے والے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بلکہ شاید قرن وسطی کے آغاز سے دو ڈیڑھ سو برس پیشتر ترکوں کے بحر لیوانٹ اور قسطنطنیہ پر قابض ہونیسے بہت قبل یورپ ہی کے ساحلوں پر عَلَم غارتگری بلند ہوئے اور جب یورپ والوں نے اِس فن میں یدطولی حاصل کرلیا تو پھر ہمسایہ قوموں کو اِسکی تعلیم دی۔[۲] بادی النظر میں اہل بربر پر ناسعادتمند کا الزام آسکتا ہے۔ کیونکہ اُنھوں نے علم تیر سیکھا اور سیکھ کر سکھانیوالوں ہی کو نشانہ بنایا۔ اُنھوں نے اہل یورپ کیطرح خانہ بدوش اور غارتگر محض ہونے پر ہی اکتفا نکیا۔ بلکہ شان و عظمت کو پیش نظر رکھکر ایک مستقل اور دیرپا ایوان حکومت بھی قائم کیا اور اُسکو بابعالی کے ظل حمایت سے مستحکم بھی کیا۔ یہ الزام اُنپر عائد ہو سکتا ہے لیکن حسن اتفاق سے

یورپین مورخوں کا اعتراف

یورپین مورخ[۳] خود ہی تسلیم کرتے ہیں کہ بربر کے نامی قزاق فی الاصل یورپین تھے۔ لہذا ہمکو مجبوراً ماننا پڑتا ہے کہ ناعاقبت اندیش استاد بھی یورپ ہی تھا اور ناسعادتمند شاگرد بھی۔

۱ے لین پول صفحہ ۲۰۰۔ ۲ے دیکھو لین پول صفحہ ۱۰۵۔ ۳ے دیکھو ہیڈ صفحہ ۱۴۲۔ مارگن صفحہ ۱۷۲۔ لین پول صفحہ ۲۰۔

اہل بربر کا غلاموں کے ساتھ سلوک

پھر بھی اس بھیانک تصویر سے ناظرین یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ اہل بربر اپنے غلاموں سے رحم و عفو کا برتاؤ کرتے تھے۔ ہرگز نہیں۔ دونوں فریق یکساں طور پر سفاک تھے اور خود جو تکلیفیں دشمن کے پنجہ میں پھنسکر اٹھاتے تھے۔ وہی بجنسہ انکو غلام بنا کر دیتے تھے مثلاً شاہ فرانس اور امیر البحر ڈوریا کے جہازوں پر جو حالت بربری غلاموں کی تھی وہی بربر کی جنگی کشتیوں پر یورپین غلاموں کی تھی۔ ادنی اعلے۔ بوڑھے جوان کا نہ یہاں لحاظ تھا نہ وہاں اگر طرغد جیسے نامور امیر البحر کو یورپین جہاز پر پابزنجیر ہو کر بلیاں چلانا پڑیں۔ تو مجاہدین بیت المقدس کے گرینڈ ماسٹر لاولنیا کو بربری کشتیوں پر حلقہ بگوش غلامی بننا پڑا جب رسم جنگ ہی یہ تھی تو تخت نشین اور خاک نشین دونوں برابر کے غلام تھے۔ یہاں ایک

ایک عجیب خیال

دلچسپ خیال پیدا ہوتا ہے۔ یہ کہ اہل بربر تو بالکل ناتربیت یافتہ بلکہ بقول یورپ نہایت وحشی اور ناتراشیدہ تھے۔ اُنکے دلمیں تو ذہنی تکلیف کا خیال طبعًا بھی نہ آنا چاہیئے تھا۔ مگر ہمکو بڑی حیرت ہی کہ یورپ کی تہذیب یافتہ جماعتوں میں سے بھی کسیکو کبھی یہ خیال نگزرا کہ جب ایک مہذب اور روشن دماغ شخص کو چند وحشی اور ناتراشیدہ اوباشوں کے ساتھ رہکر انکا شریک حال بلکہ شریک خیال ہونا پڑے گا تو صحبت نااہل سے انکے تعلیم و تربیت یافتہ دل پر کس درجہ صدمہ ہوگا۔!

ہمنے اوپر بیان کیا ہے کہ عربی النسل جسطرح بربر میں پیشہ غارتگری لائے اسیطرح فن جہاز سازی بھی لائے۔ چنانچہ تیرھویں صدی کی چھوٹی اور ہلکی ہلکی شکاری کشتیوں یا کشتی نما جہازونکی نسبت ایک یورپین مؤرخ لکھتا ہے۔

"یہ جہاز ہمیشہ الجزائر میں تیار ہوتے ہیں۔ اور وہیں انکی مرمت بھی ہوتی ہے
جہاز سادہ سیمی ہیں۔ الکوبیت المال سے ۶ تا ۱۰ ربع ڈالر فی کس مشاہرہ اور تین روٹیاں روزینہ
ملتا ہے۔ اسیطرح کی چار روٹیاں فی کس فوج کا راشن ہے۔ بعض اعلےٰ افسروں اور منصبداروں
کو یہی روٹیاں چھ چھ کبھی آٹھ آٹھ کے حساب سے ملتی ہیں۔ بہرحال تین سے کم کسی کو نہیں ملتیں
خواہ بڑھئی ہو۔ لہار یا پیپے اور بلیاں بنانے والا ہو۔ پبلک کارخانہ میں اس کثرت سے پیشہ ور
غلام ہیں کہ کیسیطرح امید نہیں کہ زیادہ ضرورت ہوگی۔ اِسلئے کہ یورپین غلاموں کا سلسلہ
بند جاری رہتا ہے۔ کپتان اپنے غلام علیحدہ رکھتے ہیں۔ جب سمندر میں دورہ کرتے ہیں تو انکو ساتھ لیجاتے
ہیں۔ اور جب الجزائر میں مقیم ہوتے ہیں تو شاہی کارخانہ کے پیشہ ور غلاموں کو انسے مدد دلواتے ہیں[۵]
اگر کوئی کپتان استطاعت رکھتا تو جہاز اپنی لاگت سے طیار کراتا۔ ورنہ
جسطرح ہمارے ہاں ایک خون آشام فرقہ شدید شرح سود کے لالچ میں زرکثیر دیدیتا
ہے اسیطرح اُس زمانہ میں الجزائر کے یہودی یا اور دولتمند جمیع اخراجات کے کفیل ہوکر مول
بیاج کے بجائے۔ لوٹ کے مال کا کچھ حصہ ٹھیر لیتے تھے۔ کپتان اور سپاہی تو گھر سے باہر
نکلکر جب ضرورت ہوتی تب ہی ور آزمائی کرتے تھے۔ لیکن یہ خام مہاجن جو "بدکان خانہ در
گروی" کے مصداق تھے۔ جہاز کے بحیرہ روم میں داخل ہوتے ہی روحانی کشمکش میں مبتلا
ہوجاتے تھے۔ اسطرح بیسیوں جہاز مہاجنوں کی بدولت ہر سال لوٹ مار کیلئے نہ صرف الجزائر
بلکہ ساحل بربری کی ہر بندرگاہ سے بھیجے جاتے تھے۔ اِس سے کافی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اقتصادی

---

۵ دیکھو تاریخ بیلدہ مارگن صفحہ ۵۵۰ تا ۵۶۲۔

مغرب میں اسیطرح اکثر یورپین ممالک میں ہر فرد بشر اہل شمشیر و قلم ہو یا اہل دولت کسی نہ کسیطرح کارگری سے خاص تعلق رکھتا تھا۔

مہینوں کی شبانہ روز عرق ریزی اور جانفشاں محنت کے بعد جب کوئی جہاز کپتان یا مہاجن کی بدولت تیار ہو کر اول مرتبہ پانی میں ڈالا جاتا تو عجیب تماشہ ہوتا تھا۔ کاریگروں کو باستثنائے چند جو عموماً یورپین ہوتے تھے آجکے دن بے انتہا خوشی ہوتی۔ مالک کو جب اطلاع ملتی کہ جہاز بالکل تیار ہو گیا۔ تو وہ دوستوں اور عزیزوں کے ہجوم میں بڑے کر و فر سے چلتا۔ اور کاریگروں کیلئے قریباً دو تین سو روپیہ کے تحفے کپڑے یا نقد وغیرہ ساتھ لاتا۔ گودام میں پہنچکر تمام چیزیں جہاز کے مستولوں پر اور اگلے پچھلے حصوں پر آویزاں کیجاتیں۔ اور یہانسے کاریگروں کو ملتیں۔ ٹھیک جسدن جہاز پانی میں ڈالا جاتا کاریگروں کو زبانی تعریف کے علاوہ۔ مالک اور کپتان مزید انعام دیتے تمام جہاز پر روغن ملکر جیسے جیسے اسکو جر ثقیل کی مدد سے پانی میں دھکیلتے جاتے ویسے ویسے اہالئے جہاز اور تماشائی خوشی کے نعرے بلند کرتے جاتے۔ جہاز کے پیشین پر ایک دُنبہ ذبح کیا جاتا۔

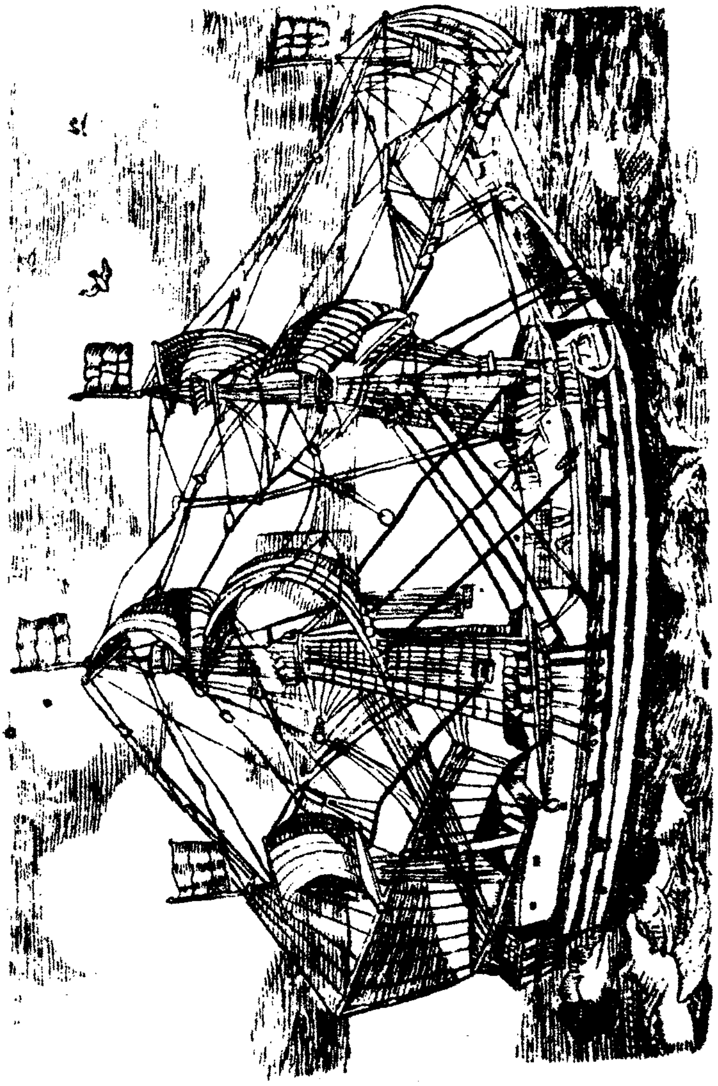
جب جہاز سطح آب پر حسب دلخواہ جم جاتا تو اُسکو ضرورت کے موافق خلاصیوں سے آراستہ کرتے۔ ان میں وہی یورپین غلام تھے جو رسم جنگ کے بموجب گیرودار میں ہاتھ آتے اور نخاس سے خرید کئے جاتے تھے۔ اگر کمی ہوتی تو عربی اندلسی بربری خلاصیوں کو ۱۰ تُو وکیٹ فی کس بالمقطع اُجرت پر نوکر رکھ لیتے تھے۔ خواہ لوٹ ملتی یا نہ ملتی۔ اُجرت اُنکو ضرور دینا پڑتی۔ اسکے بعد لڑنے والے سپاہیوں کی ضرورت ہوتی۔ یہ البتہ بھروسے کے آدمی ہوتے تھے

شلاً اندلسی۔ ترکی۔ بربری اور اکثر مخلوط النسل بھی۔ چونکہ ان کشتیوں میں خلاصیوں کے تختے
عمداً وسیع بنائے جاتے تھے تاکہ اُنپر کشتی کھینے والے اور لڑنیوالے دونوں بآسانی کھڑے
ہوکر اپنا کام کر سکیں۔ لہٰذا فی تختہ دو نفر کے حساب سے سپاہی بھرتی کئے جاتے تھے۔ اُنکی
تنخواہ کارگزاری پر منحصر تھی۔ کوئی جہاز پکڑتے تو تنخواہ پاتے۔ ورنہ کچھ حق خدمت نہ ملتا صرف
کھانیکو حسب ضرورت بسکٹ اور سرکہ انگور اور کچھ روغن دیا جاتا تھا۔ یہی خوراک غلام خلاصیوں
کو دیجاتی تھی۔ اسطرح کہ ایک پیالے میں تھوڑا سا پانی ملا ہوا سرکہ اور سمیں کسی قسم کے روغن
غلام خلاصی کی خوراک — کے چند قطرے ٹپکاکر بجائے ترکاری کے دیتے اور تین روٹیاں۔ اور کبھی کبھی بھگائے ہوئے
بسکٹ اور آٹے کی لپسی بناکر دیتے۔ لیکن محنت مشقت کے موقع پر اُنکو عمداً بھوکا رکھتے
تھے کیونکہ خلو معدہ بدون کشش و کوشش ممکن نہ تھی۔ اِن کا ذمہ دار تو کپتان ہوتا تھا۔
سپاہیوں کا آغا — لیکن سپاہیوں کیلئے اُنھیں کا ایک افسر الگ نوکر رکھنا پڑتا تھا جسکو آغا کہتے تھے کشتی
پر یہی اُنکے قول و فعل کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ کپتان کو آغا پر یا اُسکے ماتحت سپاہیوں پر سلوئے
حق سے زیادہ اور کوئی حق حاصل نہ تھا۔

یورپین گیلے جہاز پر حسب ذیل آدمی ہوتے تھے۔ خلاصی قریباً ۲۰۰ کپتان ایک
پادری ایک۔ ڈاکٹر ایک کبھی کبھی جہاز کا مالک۔ جلاد ۲۔ معلم جہاز ایک۔ سکان گیر ۱۲
جہاز کی پیشانی کے سب سے بالائی حصہ پر جسکو عرشہ کہنا چاہیئے ۸ شخص جنکا یہ کام تھا کہ دن رات
باری باری کھڑے ہوکر دوربین آلوں سے وقت موسم موقع دیکھتے رہتے تھے اور بتلاتے
تھے کہ جہاز کو کیا پیش آنیوالا ہے۔ دس پندرہ سفید پوش متلاشی معاش۔ کپتان کے

گیلیز

یہ جہاز سترھویں صدی میں مستعمل ہوتا تھا



احباب جو کھانے کی میز پر اور ندیں چتر کے سایہ میں ہر جگہ اُسکے دائیں بائیں لگے رہتے تھے۔ قیدیوں کی حفاظت اور خدمت کیلئے ۱۰ آدمی۔ معمولی ملاح ۱۲۔ بندوقچی ۴۔ بڑھئی، لُہار، پیپہ و بلی ساز ایک ایک۔ باورچی ۲۔ جنگ آزما سپاہی ۵۰-۶۰۔ اور ایک آغا۔ گویا کل ملاکر چارسو آدمی ہوتے تھے۔

فال دیکھنا

جب کوئی جہاز ملاحوں اور خلاصیوں سے آراستہ اور سپاہیوں اور سامان جنگ و آذوقہ سے طیار ہوکر سطح آب پر جم جاتا تھا تو لنگر اُٹھانے سے پیشتر فال دیکھنا بھی ضروری تھا۔ قوم مرابطین جب معتوب زمانہ ہوکر بربر کے ایوان حکومت سے نکالی گئی تو دنیا کی متنزل قوموں کیطرح رفتہ رفتہ پھر اپنے اُسی قدیم مذہبی گروہ کی شکل میں بدل گئی تھی۔ چنانچہ فال دیکھنے کی خدمت اُنہی کے سپرد تھی۔ اسکے صلہ میں اُنکو لوٹ کے مال سے کچھ حصہ ملجاتا تھا۔

سفر کا دن

سفر کیلئے جمعہ اور اتوار عموماً نہایت مبارک دن سمجھے جاتے تھے۔ فرض کرو کہ دن اور وقت مقررہ پر ایک جہاز بالکل مرتب اور مستحکم۔ آراستہ و پیراستہ۔ ساحل کے قریب لنگر انداز ہے۔ ساحل پر کپتان اور دیگر اہالی جہاز کے عزیز و اقارب۔ دوست و آشنا اور عام تماشائیوں کا ہجوم ہے۔ رخصتی سلام اور مصافحے ہوچکے ہیں۔ وداعی معانقے اور

الوداع

دعائیہ جلے بھی ہوچکے ہیں۔ لنگر بردار لنگر اُٹھاتا ہے۔ اور معاً ایک وداعی بندوق سر ہوتی ہے۔ اِدھر سے یک بیک شور اُٹھا کہ "خدا ہمیں تیز قدمی دے"۔ اُدھر سے جواب ملا کہ "خدا تمھیں برکت دے"۔ اور اسکے ساتھ ہی ہلکی کشتی یا سبک رفتار کشتی نما جہاز سطح آب پر کچھ دیر سانپ کیطرح لہرا کر تماشائیوں کی نظر سے غائب ہوجاتا ہے۔

سمندر میں کسطرح شکار کھیلتے تھے

جب دور سے کوئی شکار (یورپین تجارتی جہاز) آتا دکھائی دیتا ہے تو کپتان دھوکہ دینے کی غرض سے بلاتکلف کسی غیر ملک کا نشان بلند کردیتا ہے۔ شکار اپنی پیشانی سے بیخبر رفتہ رفتہ زد پر آتا ہے تو کشتی کے بندوقچی حیرت انگیز سرعت سے باڑھیں مارنا شروع کرتے ہیں۔ اُدھر ملاح اور جہازراں۔ غلام خلاصیوں کو زنجیروں میں جکڑ دیتے ہیں کہ مبادا

ایک خوفناک سین

حب وطن اور قومی پاسداری سے مجبور ہو کر دشمن سے جاملیں۔ کشتی کے باقی جنگجو سپاہی ننگی تلواریں بلند کئے قرابینیں سادھے اور چمکتے ہوئے خنجر جھکائے طیار کھڑے ہیں۔ کہ اگر بندوقچی دور سے فیصلہ نکرسکیں تو یہ دشمن کے جہاز پر آنِ واحد نازل ہو کر خود تصفیہ کرلیں۔

خودکردہ را درماں چیست

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس جہاں آشوب زمانہ میں برائے نام بربری ترکستانی کشتیاں یورپین کاریگروں کے ہاتھ سے بنکر یورپین خلاصیوں کی قوت بازو کے سہارے بیشتر یورپین شجاعوں کی تلواروں کے سایہ میں اور اکثر یورپین کپتانوں کے ظل حمایت میں۔ الجزائر سے صرف اور محض اسلئے لنگر اُٹھاتی تھیں کہ کسی یورپین تجارتی جہاز یا یورپین تجارت پیشہ قوم کے ساحل کو تاخت تاراج کرڈالیں۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرن وسطےٰ کا یورپ اپنی مبارک جان پر کسطرح آپ ہی حملے کرتا تھا تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ حیرت و تعجب کریں اور اگر ممکن ہو تو ہمدردی بھی کریں۔ اسلئے کہ خودکردہ را درماں چیست؟

غلام ملاحوں کے حالات جاریہ

جہازوں اور کشتیوں پر جو غلام۔ خلاصی کا کام کرتے تھے اُنکے حالات مجاریہ تو یورپ اور افریقہ میں ہر جگہ یکساں طور پر خوفناک تھے اور خوفناک ہونا بھی چاہئیں تھے

اسلئے کہ ایک پورے شہر یا قصبہ کو سمندر کے سطح پر صدہا میل کھینچنا سخت ترین مشقت تھی
لیکن اگر اسکو نظر انداز کر کے دیکھیں تو عام غلاموں کی حالت چنداں خراب نہ تھی[1]۔ مثلاً
غلاموں کے مشاغل زندگی
جو پبلک اور پرائیویٹ کارخانوں میں صنعت وحرفت کے کام کرتے تھے۔ گھرانوں میں
خدمتگار یا میونسپل خدمات پر مامور رہتے۔ سقے بنکر پکھالوں میں پانی لئے بیچتے پھرتے تھے
سبزی۔ اور میوہ فروش۔ چرواہے۔ معمار۔ سنگتراش۔ مزدور۔ حمال تھے یا کھیت کیاری کا کام کرتے
تھے۔ ان سب کو نو مسلموں سے زیادہ قومی اور مذہبی حقوق حاصل تھے۔ مراکش۔ الجزائر
غلاموں کے حقوق
ٹیونس وغیرہ بڑے بڑے مقامات میں ایک ایک پادری خاص اس کام کیلئے متعین
تھا کہ انکے باہمی تنازعے فیصل کرے اور مذہبی تعلیم بھی دے۔ اسکو القاضی کہتے تھے
بعض مسیحی غلام بڑے بڑے تاجر اور کارخانہ دار تھے۔ کارواں سراؤں کے مالک اور مہتمم
تھے۔ مسیحیوں کیلئے جسطرح عبادتگاہیں الگ تھیں۔ اسیطرح مسافرخانے بھی جدا تھے
جنمیں مسلمانوں کو ٹھہرنے کی ممانعت تھی۔ شاید اسلئے کہ مبادا وہ انکو دق کریں۔ اگر بیمار
ہوتے تو مسیحی شفاخانوں میں بھیجے جاتے جہاں اسپین کے فرائر (مسیحی فقیر) انکی تیمارداری
کرتے۔ یورپین ممالک میں تو مسلمان غلاموں کو ذرہ برابر بھی سوشل حقوق نہ تھے۔ مگر افریقہ
میں مسیحی غلام صنعت وحرفت کے سہارے نمایاں ترقی کرکے۔ اور صاحب دولت۔ صاحب
قصر و بارگاہ بنکر بجائے خود غلام رکھتے۔ تب بھی گورنمنٹ کو ان سے کچھ تعرض نہ تھا[2]۔

[1] تاریخ مراکو مولفہ برتھیس صفحہ ۔ سلیوری آف کرسچن (مسیحی دنیا پر عذاب ...) مصنفہ مسٹر آر ایل پلافسنہ سنہ ۔ لیکن بھی اسکی تصدیق کرتا ہے۔
[2] لین پول کی باربری کورسیر صفحہ ۲۲۲

بردہ فروشی کا قاعدہ

جب کوئی بربری جہاز لوٹ کا مال اور بندی لیکر یورپ سے واپس آتا تو دستور تھا کہ اول مالک یا کپتان اپنے آنیکی رپورٹ مع تفصیل غنائم۔ گورنمنٹ میں بھیجتا۔ اُدھر ایک تاریخ مقرر کردیجاتی۔ اور اُس روز لوٹ کے تمام مال اور اسباب خاصکر غلاموں کا معائنہ ہوتا۔ اور تحقیقات کیجاتی کہ قیدیوں میں کتنے مسافر ہیں اور کتنے جہاز کے ملازم اور منصب دار مسافروں کو اُس مُلک یا ریاست کے قونصلوں کے سپرد کردیا جاتا۔ جہانکے وہ رہنے والے ہوتے۔ افسران و ملازمان جہاز میں سے آٹھواں حصہ بطور محصول گورنمنٹ کیلئے منتخب

حق گورنمنٹ

کر دیا جاتا۔ اور باقی بربری جہاز کے مالک اور افسران و ملازموں کے درمیان آدھے آدھے بٹ جاتے۔ یہ اُنکو نخاس میں جو بستان کہلاتا تھا۔ لاکر دلالوں کی معرفت فروخت کردیتے لیکن بیع و شریٰ کی تکمیل اور زرِ ثمن و مبیعہ کے مبادلہ کیلئے بائع اور اُسکے ساتھ مشتری کو ایک مرتبہ اَور گورنمنٹ کے اُسی افسر کے پاس جانا پڑتا تھا۔ اگر یہاں آکر غلاموں کی قیمت پہلے سے بڑھجاتی تو بڑھوتری سرکاری خزانہ میں داخل کرلیجاتی۔ یورپ میں مسلمان غلام اسطرح

یورپ میں بردہ فروشی

نیلام نہوتے تھے۔ بلکہ معمولی طریق پر دست بدست فروخت ہوتے تھے۔ مگر خدمتگاری کے سوا کوئی کام نکرسکتے تھے۔ اِس سے واضح ہوگیا کہ غلاموں کی دو قسمیں تھیں۔ گورنمنٹ کے غلام۔ اور رعیت کے غلام۔

غلاموں کی قسمیں

گورنمنٹ کے غلام علامت

گورنمنٹ کے غلاموں کی یہ علامت تھی کہ پیر کے انگوٹھے میں لوہے کا ایک چھلا پہنتے تھے۔ رات کو ایک بڑے مکان میں جو قلعہ کی شکل پر اسی مقصد کیلئے بنایا گیا تھا بند کردیے جاتے تھے۔ دن کو اکثر میونسپل خدمتیں انجام دیتے تھے۔ رعیت کے غلاموں کے

حقوق — مقابلہ میں اُنکو کچھ زیادہ حقوق حاصل تھے۔ مثلاً جمعہ کو پورے دن کی اور باقی چھ روز غروب سے تین گھنٹہ پیشتر اُنکو معمولاً تعطیل ملجاتی تھی۔ اور کھُلی اجازت تھی کہ حدود شہر میں جہاں چاہیں جائیں اور جو چاہیں کریں۔ چوری کا لپکا — بعض غلاموں کو چوری کا لپکا پڑجاتا تھا۔ بڑی بڑی قیمتی چیزیں چُرا لیتے اور لطف یہ کہ کمال بیدردی سے اکثر اُسی چیز کے مالک ہی کے ہاتھ بیچدیتے۔ اور یہ بیچارہ گورنمنٹ کے خوف سے تین پانچ کئے بدون خرید لیتا۔ بعض تعطیل میں بھی بطور خود محنت مزدوری کرکے روپیہ پیدا کرتے۔ اور اُنکو جوڑ کر اپنی آزادی خرید لیتے کبھی گورنمنٹ بھی اُنکو ترکتاز اور غارتگر جہازوں کے ساتھ سمندر میں دورہ کرنے بھیج دیتی اس صورت میں اُنکو مال غنیمت میں سے کچھ حصہ ملجاتا۔ اور ان رقوم کو جمع کرکے وہ اپنی آزادی خرید لیتے[1]۔ مگر پھر بھی یہ اتفاقیہ تھا۔ اکثر یہ نہ تھا۔ کیونکہ یورپ کی سوشل اور پولیٹکل بربر کے غلام اور یورپ کے حُر کا مقابلہ — حالت اٹھارھویں صدی کے نصف تک اسقدر ردی تھی کہ بربر کے یورپین غلام مسیحی حُر بنکر یورپ کو واپس آنے اور یہاں بھیک مانگتے پھرنیسے ہزار بلکہ کروڑ درجہ بہتر سمجھتے تھے کہ الجزائر میں اسلام کا غلام بنکر بے کھٹکے دولت و ثروت پیدا کریں۔ اور لطف و لذات زندگی سے دل

[1] پادری ڈان صاحب جو اسپین کی سولھویں صدی کی تعصب خیز آب و ہوا سے متاثر ہوکر ۱۶۳۴ء میں الجزائر سیر کرنے گئے تھے۔ اُنھوں نے وہاں کے حالات لکھتے ہوئے غلاموں کے روزمرہ کی (سخت) بھیانک تصویر کھینچی ہے۔ مگر تاریخانہ نظر میں اُس کی وقعت کاکس کی تاریخ ہند سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ ہمکو اس سے مخالفت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ ایک یورپین مورخ خود اس بیان کی تردید کرتا ہے۔ دیکھو لین پول باربری کورسیر صفحہ ۱۰۲۔

کھو لکر مسرور الوقت ہوں اور کچھ شک نہیں کہ بربر میں یورپین غلاموں کیحالت عموماً ہر پہلو پر یورپ سے بدرجہا بہتر تھی۔ اگر وہ یہاں کوئی خطا کرتے تو زیادہ سے زیادہ یہ سزا تھی کہ دُرّے لگ جاتے تھے۔ لیکن یورپ میں اتنے سے جرم کی پاداش میں گاڑی کے پہیوں کے نیچے کچل ڈالے جاتے۔ یا گھوڑے کی باگ ڈور سے پھانسی دیدیے جاتے[1]۔

تاہم اِس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ بربر کے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں دیہات اور کوہستانی آبادیوں میں یا جہاں کہیں جسقدر مسیحی غلام تھے وہ سب ایک سے اوسرتاتک ہر پہلو پر مرفہ الحال و خوش و خرم تھے۔ اول تو یہ کہ غلامی خواہ عزیز مصری کی کیوں نہو۔ پھر بھی غلامی ہے۔ جسکا مفہوم ہے غربت و بیکسی۔ بندگی و بیچارگی۔ نفس کُشی اور رضاجوئی۔ فرض کرو کہ مسلمان غلاموں کو یورپ میں اور مسیحی غلاموں کو بربر میں یکساں طور پر۔ نہ مسلسل عرق ریزاور بیہودہ محنتیں کرنا پڑتی تھیں۔ نہ جرموں اور خطاؤں کی پاداش میں کم و بیش سزائیں بھگتنا پڑتی تھیں۔ نہ کوئی اَور جسمانی اذیت تھی۔ یہ سب کچھ سہی لیکن روحانی عقوبت سے رستگاری کسیطرح ممکن نہ تھی۔ وطن اور ہموطنوں سے اچانک جُدا ہوجانیکا رنج جو ایک تیز فولادی برمے کیطرح ہر وقت دلکو چھید تا رہتا تھا۔ غلامی کی آہنی زنجیر بندشوں سے جیتے جی رہائی ممکن نہونیکا صدمہ یاس جو تمام جذبات کو مفلوج کرڈالتا تھا۔ سرکشی

---

[1] یہ اسپین کی کیتھلک گورنمنٹ کی مجموعہ تعزیرات کا منشا تھا جو اُس نے کارڈینل زیمس جیسے مذہبی پیشواؤں کی رائے سے عربی قانون کے بجائے ہسپانیہ ملک میں جاری کیا تھا۔ آہ اے اسپین! تو نے اسلام کے ظل حمایت سے نکلکر دامن انسانیت پر کیسے دھبے لگائے!! دیکھو مارگن کا ترجمہ بربر کا سفر" بربر کے مسیحی غلاموں کے تفصیلی حالات دیکھنا ہوں تو اس سے زیادہ دلچسپ کسی کتاب میں نہیں مل سکتے۔ سر آرتھر ہیلپس بھی اسکو نقل کرتے ہیں۔ گو نیک نیتی (؟) سے کہیں حوالہ تک بھی نہیں دیتے علاوہ ازیں دیکھو لین پول صفحہ ۲۴۳ تا ۲۴۴

مغرور اور حکمراں دلوں کا بربری مولاؤں کی ناگوار بندگی سے اندر ہی اندر سُلگنا۔ یہ وہ ناسور تھے جو آزادی کے مرہم بدون بھر ہی نہ سکتے تھے۔

شہروں اور دیہاتیوں کے غلاموں کی حالت

دوسرے یہ کہ دار الحکومتوں اور بڑے بڑے شہروں کے باشندے مہذب و تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ اور قدرتی طور پر روشِ بندہ پروری بھی جانتے تھے اور چارہ نوازی بھی۔ لہذا غلاموں کے فیلنگ کا پورا لحاظ کرتے تھے۔ لیکن دیہات خاصکر پہاڑی بستیوں کے ناتراشیدہ اور ناتربیت یافتہ باشندے جو طبعاً سخت کرخت بلکہ سنگلاخ مزاج رکھتے تھے۔ اپنی طبیعت کے مطابق غلاموں سے سلوک کرتے تھے۔ اسیطرح دُکانوں پر۔ گھرانوں میں کھیتوں میں ہر جگہ جہاں کہیں جیسا غلام اور مولا ہوتا ویسا ہی اُن کا آپس کا برتاؤ۔ اگر موافقت ہوتی تو بجز اسکے کہ غلام۔ آزاد نہ تھا۔ باقی تمام حقوق گھر والوں کے سے رکھتا۔ اگر ناموافقت ہوتی تو ناگفتہ بہ[۱]۔

گورنمنٹ کے اصول سلوک کے مستثنیات

علاوہ ازیں گورنمنٹ اپنے غلاموں سے گو کلیۃً بہ تشدد پیش نہ آتی تھی لیکن اس میں بھی مستثنیات تھے۔ یورپ کے خاص خاص فرقوں اور قوموں کے افراد جو لوٹ مار کے حملوں یا باقاعدہ لڑائیوں میں گرفتار ہوکر غلام بنائے جاتے تھے۔ اُنسے قومی تعلقات کی مناسبت پر سلوک کیا جاتا تھا۔ مثلاً مجاہدین بیت المقدس جو صرف مذہبی جوش کی بنا پر بربریوں اور ترکوں کے خون کے پیاسے تھے۔ ان کے قیدیوں کو عمداً تکلیف دیجاتی تھی اُسیقدر جسقدر یہ خود ترکی اور بربری غلاموں کو تنگ کرتے تھے۔ یا اسپین کے غلام جنسے اندلس کے جلاوطن مسلمان سخت متنفر تھے۔

---

[۱] صفحہ ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۸ باربری کورسیر مصنفہ لین پول۔

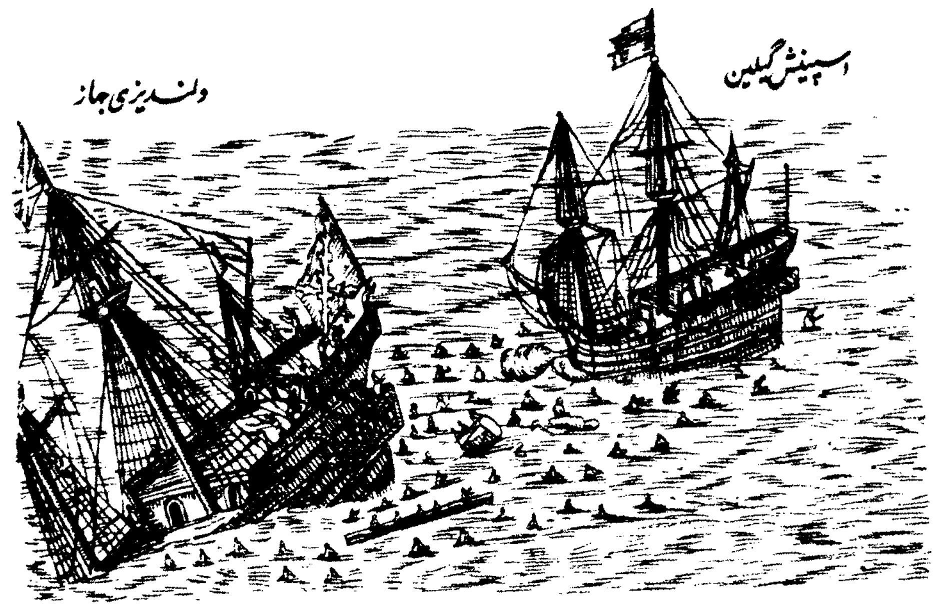
چنانچہ ۱۸۰۴ء میں شہر اوران کے محاصرہ سے اہل بربر نے بہت سے دشمن گرفتار کئے جنمیں چار مجاہدین بھی تھے جو مالٹا سے اپنی شجاعت کے جوہر دکھلانے آئے تھے بجاے اسکے کہ یہ الجزائر کے نخاس میں بک کر کسی مفید اور مغزز پیشہ پر لگائے جاتے۔ یا (جیسی کہ شاید خود انکو توقع ہوگی)، گورنمنٹ کے غلاموں میں داخل ہوکر چریاں کرتے پھرتے۔ اُنکو الجزائر کے القصبہ نامی قلعہ میں ۱۲۰ پونڈ وزنی زنجیریں پہناکر قید کردیا گیا دو برس تک طرح طرح کے عذاب میں مبتلا رہکر، بڑے جیلخانہ میں بھیجے گئے۔ اور یہاں شاید اُن بربری مسلمانوں کے قصاص میں جو مالٹا کے قلعہ سینٹ انگلو اور سینٹ میکائیل میں پابجولاں تھے۔ اُنکو آٹھ برس کامل شدید سے شدید اذیتیں جھیلنا پڑیں جتنی مرتبہ سمندر سے یہ اطلاع ملی کہ بربری کشتی کو مالٹا کیلے نے شکست ہوئی، اُتنی ہی مرتبہ گورنر نے غضبناک ہوکر مجاہدین کو پھانسی پر بھیج بھیج دیا۔ لیکن ہر مرتبہ فرانسیسی قونصل کی سفارش سے جاں بخشی ہوجاتی تھی۔ کیونکہ مجاہدین میں تین فرانسیسی تھے۔ ایک دفعہ اُنھوں نے مرابطہ فرقہ کے ایک مسلمان کی مدد سے بھاگنے کی کوشش بھی کی مگر پھر گرفتار ہوگئے۔ اور اس مرابطہ ہی کی سفارش سے عفو تقصیر ہوئی۔ بالآخر نویں برس فدیہ دیکر آزاد ہوتے۔

مالٹا کے مجاہدین کی کہانی

سر ڈنہیز کی سرگزشت

اسیطرح ایک مرتبہ سر ڈنیزو نامی ایک اسپین کا سپاہی جس نے اپنا بایاں بازو لیپنٹو کے معرکہ کی نذر کردیا تھا نیپلز سے آتے ہوئے گرفتار ہوگیا۔ اور الجزائر کے

۵۱ گو انکو ہر طرح کی اذیتیں دیجاتی تھیں لیکن مذہبی رسوم میں کبھی دست اندازی نکی جاتی تھی۔ چنانچہ تہوار کے دن میونی پل حدود میں آزاد گھومنے کی اجازت تھی، گرجا میں یا قونصل کی کوٹھی پر جا سکتے تھے۔ اور یہ ان یورپین مورخوں یا وقائع نگاروں کو تسلیم ہو ان کے بڑے ہمدرد ہیں۔ دیکھو مارگن کا ترجمہ "سفر بربر" صفحہ ۵۰ تا ۶۵۔ باربری کورسیر صفحہ ۲۲۵۔



ولندیزی جہاز اور اسپینش گیلین میں زور آزمائی

نخاس میں اگر معمولی آدمیوں کے ساتھ بکا۔ ویلی سمی رئیس نے جو فی الاصل یونانی تھا اسکو خرید لیا۔ تلاشی لینے پر سروَنٹیز کے پاس سے ڈن جان آو اسٹریا کے چند خطوط برآمد ہوئے جس سے رئیس کو یقین ہوگیا کہ یہ کوئی ذی اثر باشندۂ اسپین ہے۔ اور اُسکو قید کرکے فدیہ طلب کیا۔ اگلے برس یہ خبر رفتہ رفتہ سروَنٹیز کے باپ کو ملی اور اُسنے فدیہ بھیجا۔ یہ رقم اُسکے چھوٹے بھائی راڈریگو کے لئے کافی سمجھی گئی اور وہ رہا کردیا گیا مگر وہ خود اسیطرح حلقہ بگوش اور پابزنجیر رہا۔ اسطرف سے مایوس ہوکر سروَنٹیز نے بھائی کی مدد سے بھاگنے کا انتظام کیا اور بہت سے اسپینش جنٹلمینوں کو جو اُسکی طرح ڈن جان کی سفاکانہ خونریزیوں کی سزائیں بھگت رہے تھے رفاقت پر آمادہ کیا اور شہر سے باہر ایک تنگ و تاریک غار میں رفتہ رفتہ لیجا کر چھپا دیا۔ عین وقت پر جبکہ راڈریگو کا بھیجا ہوا جہاز کنارہ پر تیار تھا کسی شریر ماہی گیر نے الارم دیدیا اور سروَنٹیز اپنی ذریات سمیت پکڑا گیا۔ مگر گورنر نے اُسکی مردانہ جسارت اور شجاعانہ انداز سے خوش ہوکر نہ صرف جان بخشی ہی کی بلکہ ویلی سمی سے پانسو گنی دیکر خرید لیا[1]۔ اسکے بعد بھی سروَنٹیز نے کئی مرتبہ بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہر مرتبہ پکڑا گیا اور ہر مرتبہ قید کی سختی بڑھی۔ پھر بھی سزائے تازیانہ کبھی نہیں دیگئی[2]۔ بالآخر سنہ ۱۵۸۰ء میں فدیہ دیکر آزاد ہوا۔

سروَنٹیز کی فراری

ناکامی

سروَنٹیز کی آزادی

---

[1] لطف یہ کہ اسی سروَنٹیز نے قید سے چھوٹ کر اور وطن پہنچکے جو ڈن کوئکزوٹ نامی ایک کتاب لکھی جسمیں ڈن جان کے حالات زندگی درج ہیں۔ اسی میں کہیں کہیں اپنی غم کی کہانی کے واقعے بھی لکھے ہیں۔ اور الجزائر کے اسی گورنر کو خونخوار بتایا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ایک غلام کو ہر روز بلا وجہ پھانسی دلواتا تھا۔ لین پول ص ۲۴۲۔

[2] مؤرخین یورپ اسکو سروَنٹیز کے رعب اور وجاہت کا نتیجہ خیال کرتے ہیں۔ گورنر کی چشم پوشی اور عفو گاری نہیں سمجھتے۔

مجاہدین جیسے مذہبی افراد اور سر ڈنیشر جیسے قومی ناموجب بند غلامی سے چھوٹ کر یورپ جاتے تھے تو اُنکے دُکھ درد کی کہانیوں سے خاص و عام میں جوش پھیل جاتا تھا پھر اُسقف اعظم کے سحر آفریں خطبوں سے پادریوں کے مقدس دلوں کو بیطرح حرکت ہوتی تھی۔ اور یہ مسیحی غلاموں کو نجات دینے کے لئے قافلوں کی شکل میں سواحل بربر پر اکثر جھک پڑتے تھے چنانچہ سب سے پہلے نجات دہندہ قافلہ کا سردار ایک فرانسیسی پادری تھا۔ جین ڈی میتھا نے "تثلیث[۵۱] مقدس اور قیدیوں کی نجات" کے نام سے ایک مذہبی فرقہ قائم کرکے پوپ[۵۲] انوسنیٹ ثالث کو حمایت پر لیا۔ اور پھر ۱۱۹۹ء میں بربر میں وارد ہوا۔ اور ۲۸۶ غلام چھڑا کر لیگیا پھر سنین مابعد میں اور کتنے ہی قافلے آئے اور کُل ملا کر قریبًا ۲ ہزار مسیحی غلاموں کو چھڑا کر لیگئے

اسیطرح ۱۶۳۴ء میں ایک اور فرانسیسی پادری مارسیلز سے یہی احرام باندھکر چلا اور ۱۵ جولائی کو الجزائر میں وارد ہوا۔ چونکہ فرانس صلحاے ٹرکی میں تھا اسلئے الجزائر کے پاشا نے پادری ڈان کی بڑی تعظیم و تکریم کی۔ دربار خاص و عام آراستہ کیا۔ امیروں اور وزیروں کو بھیجکر استقبال کرایا اور نہ صرف خود ہی بڑی عزت سے پیش آیا بلکہ منادی کرادی کہ جو شخص پادری اور اُسکے رفیقوں سے بادب پیش

مسیحی غلاموں کی نجات کا طریقہ

ایک مذہبی فرقہ

فرانس اور الجزائر کا ربط

مہمان نوازی

---

۵۱ آرڈر آو دی ہولی ٹری نِٹی اینڈ ریڈیمپشن او کپٹیوز۔

۵۲ پوپ نے پادری میتھا کو سلطان مراکو کے نام ایک خط بھی دیا تھا جسمیں سلطان کو "جلیل القدر اور گرامیشان" سے ملقب کیا ہے اور سفارش کی ہے کہ حامل خط کی اس کار خیر میں دستگیری کریں اس سے مسیحی اور مسلمانوں کے ان دیرینہ تعلقات کا ثبوت ملتا ہے جو قرون وسطے کے طوفان غارتگری سے پیشتر تھے باربری کورسیر صفحہ ۲۰۲ و ۲۰۳

پادریوں کا تعصب

نہ آئیگا وہ قتل کیا جائیگا۔ حالانکہ خود پادری ڈان کا طریق عمل جوش انگیز تھا۔[۱] مگر پاشا نے مہمان نوازی کے اصول کے مطابق جو مسلمانوں کا قومی خاصہ ہے اسکا خیال تک نہ کیا۔ اُنکے لئے فرانسیسی اجنٹ کی کوٹھی میں کمرے آراستہ کئے۔ اور تین ماہ تک مہمان رکھا۔ اور چلتے وقت ۳۴۲ فرانسیسی غلام آزاد کرکے ساتھ کئے۔[۲]

مسیحی غلاموں کی آزادی

یہی قافلہ اگلے برس ٹیونس سے ۴۲ فرانسیسی غلام اُور چھڑا کر لایا۔ پھر ۱۶۱۹ء میں ایک اُور فرانسیسی پادری کیمیلن نے ۹۰ ہموطنوں کو آزاد کرایا۔ اسیطرح اَور پادریوں نے موڈرن ایج (قرن حال) تک اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی کامیابیاں حاصل کیں۔ مگر پوری کامیابی اول سے آخر تک کبھی کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ نجات دہندہ مشن کے دو مقصد ہونا چاہئیں تھے۔ ایک یہ کہ یورپین غلاموں کو بلا قید مذہب و قومیت آزاد کرادیں دوسرا یہ کہ اہل بربر سے آیندہ کے لئے ایسی باہمی قرارداد کریں کہ ان ممالک میں بردہ فروشی اور غلاموں کی گیر ودار قطعاً مسدود ہوجائے مگر ان دونوں مقاصد کے حصول میں خود یورپ ہی کے پادریوں کا مذہبی تعصب اور یورپ ہی کے فرمانرواؤں کی ناعاقبت اندیشی سد راہ تھی۔

اس دعوی کا ثبوت یہ ہے کہ یورپ کی کوئی قوم کوئی سوسائٹی ایسی نہ تھی جسکے دولتمند اور جلیل القدر افراد کے حلقۂ خدّام میں بربر کے حلقہ بگوش غلام موجود

[۱] یہ وحشیانہ اخلاص و مہمان نوازی تھی! لین پول کورسیر صفحہ ۲۰۵ [۲] اس زمانہ کی رسم کے مطابق پاشا نے چاہا کہ دوستانہ ارتباط اور اتحاد سے اظہار ہیں۔ الجزائر کے ہلالی جھنڈے کو پادری کے فرانسیسی علم سے مس کیا جائے مگر ڈان نے سختی سے انکار کردیا اسلئے کہ ناپاک جھنڈا علم مقدس کو مس نہ کرسکتا تھا! باربری کورسیر صفحہ ۲۰۵ [۳] لین پول صفحہ ۲۰۵ بحوالہ بربر کا سفر مترجمہ مارگن۔

نہ تھے۔ حتیٰ کہ فرانس جو دوستی کا دم بھرتا تھا اُسکے جنگی جہاز اور سوشل خدام خانے بھی۔ خاندان ڈوریا کی غارتگری کی بدولت بربری غلاموں سے معمور تھے[1] اسکے علاوہ فرانسیسیوں کو موقع ملتا تو ساحل بربر پر علانیہ لُوٹ مار کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ چنانچہ سنہ ۱۶۰۶ میں چند فرانسیسی لُٹیروں نے جنکو کپتان بتلایا جاتا ہے فلورنس کی چھ کشتیاں لیکر بوجیہ پر حملہ کیا۔ بوجیہ اسوقت گھٹکر تیسرے درجہ کی بندرگاہ بنگیا تھا اسلئے قلعہ اور شہر جنگی سامان سے محفوظ نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حملہ آوروں نے بے تکلف لوٹ مار کی اور اٹھارہ سو مرد عورتیں اور بچے بیرحمی سے پکڑ کر لیگئے[2]۔

فرانسیسیوں کی لوٹ مار

علاوہ ازیں شروع میں تمام دول میں سے صرف فرانس کا قونصل الجزائر میں رہتا تھا یا اُسقف اعظم اپنا ایک سفیر سلطان مراکو کے دربار میں رکھتے تھے۔ اسکی وجہ غالباً یہی معلوم ہوتی ہے کہ جب یہ خود اہل بربر کے تجارتی جہازوں اور سیاحتی کشتیوں کو لُوٹ لیتے تھے تو اپنے قونصلوں کو اُنکے دربار میں کس مُنہ سے متعین کرتے۔ اور جب اُنکے ملک میں صدہا مسلمان غلام تھے تو وہ کیا کہکر مسیحی غلاموں کو آزاد کراتے اسیطرح ان ممالک کے پادریوں کو بھی جرأت نہ تھی کہ نجات دہندہ بنکر آتے۔ صرف ایک فرانس ایسا ملک تھا جو سلطان قسطنطنیہ کا حلیف ہونے کی وجہ سے کسیقدر استحقاق رکھتا تھا اسکے پادری بھی مسیحی غلام آزاد کرانے میں قومیت اور ملت کا لحاظ کرتے تھے چنانچہ ٹیونس میں ایک مرتبہ ایک فرانسیسی مشن نے ... ۳ سکے دیکر

مراکو سے دول یورپ کا اتحاد۔

[1] لین پول ۲۰۳، [2] لین پول ۲۰۵-

کیتھلک تعصب کی مثال

تین فرانسیسیوں کو آزاد کرایا۔ پاشا نے فدیہ بڑھائے بدون انمیں ایک اور فرانسیسی غلام کو شامل کرنا چاہا لیکن پادریوں نے اسکے لینے سے صرف اس بنا پر انکار کردیا کہ یہ بیچارہ بدنصیبی سے پروٹسٹینٹ تھا۔ کیتھلک نہ تھا[1]۔

جب یورپ اور بربر کے باہمی تعلقات کی یہ حالت تھی۔ اور ایک دوسرے کی رعایا کو زبردستی پکڑ کر غلام بنانا اور اُنسے خلاصیوں کا کام لینا اس قرن کی رسم تھی تو مسیحی غلاموں کی آزادی کے دو ہی طریقے تھے۔ ایک یہ کہ جسقدر بربری غلام نجات دہندہ قافلے والوں کے ملک میں ہوں اُدھر وہ اُنکو چھوڑدیں اور ادھر اہل بربر انکے غلاموں کو آزاد کردیں۔ اور اس بات کا لحاظ نہ کریں کہ معاوضہ کی تعداد برابر ہے یا کم وبیش۔ چنانچہ پادری ڈان نے ۴۲ غلام اسی شرط پر رہا کرائے تھے کہ معاوضہ میں اُن تمام بربریوں کو جو فرانسیسی جہازوں پر پابزنجیر خلاصی ہیں رہا کردیا جائیگا[2] حالانکہ انکی تعداد۔ فرانسیسی غلاموں کے مقابلہ میں بہت تھوڑی تھی یا شاید پادری صاحبان مصلحتاً تھوڑی بتلائی تھی اسلئے کہ تصدیق کا کوئی سہل ذریعہ نہ تھا اور نہ بربر کے مسلمان بدظن اور بہانہ جو تھے۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ فدیہ دیکر آزاد کرالیں جیسا کہ ایک واقعہ تمثیلاً اوپر درج کیا گیا ہے۔ یورپ کے مؤرخ جو کہنا یہ ایک تیسرے طریقہ کا تقاضا کرتے ہیں اور شاید اُس زمانہ کے پادری بھی صراحتاً کرتے ہونگے۔ یہ کہ مسیحی غلام بہادلے یا فدیے بدون یوں ہی چھوڑدیے جایا کرتے یہ کسیقدر بحث طلب مسئلہ ہے۔ آج صدیوں

[1] لین پول صفحہ ۲۵۵ [2] لین پول صفحہ ۲۵۶۔

بعد ہمارے اوران مؤرخوں کے قلم اسکافیصلہ نہیں کرسکتے ۔اسکا فیصلہ اُس زمانہ کی تلواروں نے آپ کرلیا تھا۔ لیکن اسمیں کچھ شک نہیں کہ قرنِ وسطےٰ میں ذلیل بردہ فروشی کی اسدرجہ کثرت زیادہ تر یورپ کے ہاتھ میں تھی جبتک اُسنے چاہا رہی۔ اور جب نہ چاہا مٹ گئی ۔پس پادری ڈان اور اُنکے رفیق بجاے اسکے کہ بربر کے تمام اندرونی اور بیرونی مقامات میں بڑی سرگرمی سے مسیحی غلاموں کے لئے شفاخانے مسافرخانے ۔گرجے بناتے پھرتے ۔اگر وہ یورپ کے ممالک میں اس سے آدھی سرگرمی سے غلاموں کی گیرودار کے انسداد کا وعظ کرتے تو شاید سنین مابعد میں یورپ کو بربریوں کے ہاتھوں جو ذلتیں نصیب ہوئیں ہرگز نہوتیں[۱۵]

بردہ فروشی یورپکے محصلہ میں تھی

---

۱۵ یورپ پر کیا منحصر ہے ۔بردہ فروشی سے مہذب امریکہ بھی خالی نہ تھا۔ اٹھارویں صدی کے اخیر سے انگلش پارلیمنٹ میں آزادی کی تائید میں آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں ۔اور سنہ ۱۸۳۴ تک یہ زبون رسم مٹ گئی۔ سب سے اول ولیم ولبرفورس نے ۱۹۔مئی سنہ ۱۷۸۹ کو انسداد بردہ فروشی پر ایک پُرجوش تقریر کی۔ مگر اسکا کوئی نمایاں اثر نہوا۔ پھر مئی سنہ ۱۷۹۲ کو پارلیمنٹ میں ۵۱۷ درخواستیں مختلف انگریزی تاجروں اور باشندوں نے گذاریں کہ یہ رسم مسدود کیجائے ۔اسپر ولیم ولبرفورس نے پھر ایک تقریر کی اور اسکی تائید مسٹر ولیم پٹ نے کی۔
بالآخر سنہ ۱۸۰۷ میں ایک قانون پیش ہوا جسکی رو سے یکم جنوری سنہ ۱۸۰۸ کو اعلان کردیا گیا کہ بردہ فروشی جرم سمجھا جائیگا۔ اسیطرح امریکہ میں سنہ ۱۷۹۴ میں پھر سنہ ۱۸۰۰ میں بردہ فروشی ناجائز قرار دیگئی اور سنہ ۱۸۰۷ میں ایک بل پاس ہوا کہ اگلی جنوری سے قلمرو امریکہ میں رسم مذکور قطعاً مسدود ہو۔ سنہ ۱۸۲۰ سے بردہ فروشی اور غارتگری ایک جرم سمجھا جانے لگا۔
اس سے پیشتر یہ حالت تھی کہ جزیرہ جمیکا میں ڈھائی برس کے عرصہ میں ۲۷ ہزار غلام بکے۔ غلام کے مار ڈالنے کا ۳۰ پونڈ قصاص تھا۔ افریقہ سے ۸۰ ہزار غلام سالانہ یورپ کو منتقل ہوتے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۷۹۱ میں انڈریو ہاملٹن نے اپنی تقریر میں امریکہ کی نوآبادبستیوں کی آبادی کی حسب ذیل تفصیل کی ہے۔
غلام (۸۰۰۰۰) آزاد (۱۴۴۰۰) یورپین (۱۱۹۰۰۰)
ڈانیل اوکونل نے سنہ ۱۸۳۰ کی تقریر میں پارلیمنٹ میں بیان کیا تھا کہ امریکہ کے قدیم باشندوں کی تعداد ۱۴ نوآبادیوں میں دس برس کے اندر بقدر ۱۴۵۰۰۱ کے گھٹ گئی۔ اسلئے کہ اسقدر آدمی غلام بناکر منتقل کردیے گئے۔

گیارھواں باب

گھلے لٹیروں کا دَور "یورپ پر عذاب الیم"

تنزل کے اسباب

یوں تو جب سے دولت علویہ فاطمیہ مصر میں منتقل ہوگئی تھی۔ تب ہی سے بربر کی گورنمنٹ اور سوسائٹی کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا تھا۔ چنانچہ مرابطین اور موحدین کا اجزاء منفرد بنکر ایک دوسرے کے بعد خروج کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ اہل بربر وحدت سے کثرت کی طرف مائل ہوگئے تھے۔ قوت کی تقسیم اور اعضا کا تفرقہ ہمیشہ ضعف اور تنزل پر ختم ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی اخیر میں بنی حفص کی دو سو برس کی حکومت

بربری حکومت کا تنزل

جو صوبہ ٹیونس میں محدود تھی۔ ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کا سا سنبھالا تھا جسکے بعد تاریکی شروع ہوگئی اور یہ تین سو برس کا زمانہ جو سولھویں صدی سے شروع ہوکر انیسویں کے آغاز پر ختم ہوجاتا ہے۔ تمامتر تنزل کا دَور معلوم ہوتا ہے۔ بربر کے پولٹیکل اور خاصکر

پولٹیکل اور سوشل تنزل

سوشل جسم میں مادۂ فساد صریحاً سرایت کرنے لگا مجلسیں برہم ہوگئیں۔ علوم وفنون کی ترقی مسدود ہوگئی۔ تعلیمگاہوں اور کارخانوں پر قفل پڑ گئے۔ لیکن بااینہمہ بربر کی آب و ہوا میں ابھی تک چند اعلیٰ خاصیتیں باقی تھیں یعنے ناموارانہ شجاعت۔ فیاضی۔ اور جاہ طلبی۔ اِس نسے کہا جاسکتا ہے کہ دَور تنزل کے ابتدائی حصّہ یعنے سولھویں

بربر میں [illegible]

صدی کی حکومت گو کیسی ہی تھی۔ لیکن بربر میں مسلمانوں کی بزم آخر تھی۔ یہ درست ہے کہ قلم ٹوٹ گیا تھا۔ سوشل چہرہ بھی بدنما ہوگیا تھا۔ مگر تلوار میں ابھی تک وہی آب و تاب تھی

ابھی رزمیانہ انداز نہ بگڑا تھا۔ سترھویں صدی کے ساتھ یہ صفتیں بھی رخصت ہونے لگیں قومی چہرہ کے دونوں رُخ مسخ ہو گئے۔ نکبت و ادبار کی گھٹا چھا گئی۔ اور ملک برس برس کامل اسی ظلمت میں ملتبس رہا۔ لیپنٹو کی جنگ کے ساتھ نامورانہ شجاعت اور رزمیانہ نیکنامیوں کا دَور بھی ختم ہوگیا۔ الوالعزم خیرالدین اور طرغد کے ثانی پیدا ہونا بند ہو گئے۔ اور اُنکی بجائے اب طامع بے اصول۔ خونریز۔ غارتگر اسٹیج پر نمودار ہوئے۔

مسلمانان بربر کے رزمیانہ صفات کا خاتمہ

اصل یہ ہے کہ اس عالم حادث میں کوئی شے ایک حالت پر نہیں رہتی۔ یہ ایک ایسی بدیہی صداقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔ روزمرہ کے مشاہدات گو معمولی ہونے کی وجہ سے نظرانداز ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب ذرا تجسس اور غائر نظر سے دیکھینگے تو قدم قدم پر بیّن ثبوت ملیگا۔ ہم کہتے ہیں کہ کوئی شے ایک حالت پر نہیں رہتی یعنے نفس شے میں تو کچھ فرق نہیں آتا۔ البتہ اُس شے کی حالت بدلجاتی ہے۔ اسکا سبب یہ ہے کہ ایک وقت میں ایک حالت کی جو علت یا علل ہیں۔ دوسرے وقت انمیں کمی بیشی یا ردّو بدل واقع ہو جاتا ہے۔ اور اسلئے معلول یعنی حال بھی متغیر ہو جاتا ہے یہ کہ علت یا علل کیوں بدلتی رہتی ہیں وہ پُر پیچ مسئلہ ہے جسکو انسان ابتدائے آفرینش سے آجتک حل نہیں کرسکا۔ یہ بھی فطرت کا ایک رازِ سربستہ ہے۔ جب یہ کہا جاتے کہ انسان ایک حالت پر نہیں رہتا تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ انسان جو مختلف قابلیتوں اور استعدادوں کا بنڈل اور مختلف افعال کا مصدر ہے۔ اسکے افعال میں تغیر واقع

ہو جاتا ہے۔ افعال کیا ہیں ؟ صرف خیالات اور جذبات کے اظہار کا نام ہے۔ جب جذبات اور خیالات بدلجاتے ہیں تو انسان کا فعل اور حالت بھی بدلجاتی ہے اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض خاص خیالات اور جذبات کے زور سے انسان سے ایک خاص فعل سرزد ہوتا ہے۔ اور پھر رفتہ رفتہ اپنی علل (وہی جذبات) میں تغیر واقع ہونے کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے۔ یہانتک کہ کچھ عرصہ بعد اُس فعل کی اصلیت کا پتہ ملنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ ابتداءً فعل کیوں ہوئی تھی۔ انسان کا لباس۔ غذا۔ رسم و رواج۔ اور اسطرح کی اور ہزاروں چیزیں ہر گز اصلیت سے بہت دور معلوم ہوتی ہیں حتیٰ کہ مذہب بھی اس قانون تغیر کے اثر سے نہ بچ سکا۔ کبھی ایک فعل کی علت اولیٰ خود غرضی یا قومی ہمدردی یا کوئی اعلیٰ خیال ہوتا ہے۔ مگر امتداد زمانہ اور سلسلۂ تناسل کے ساتھ اُسمیں کھلی نفسانیت کا اثر آجاتا ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی اُس فعل میں بھی نمایاں فرق معلوم ہونے لگتا ہے۔ عروج اور خیرالدین باربروسہ کے جانشینوں کی بھی یہی حالت ہو گئی تھی۔ اب اُنمیں باربروسہ کی سی ناموارانہ شجاعت رہی تھی

بحری قزاقی و تنزل کی اجمالی کیفیت

ناظرین کو یاد ہوگا کہ کپتان عروج کو عنفوان شباب کی اُمنگیں جزیرۂ لزبس سے نکال لائی تھیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُسوقت بحری غارتگری یورپ بھر میں عام طور پر ایک جائز پیشہ سمجھی جاتی تھی۔ اسلئے اتباعاً عروج نے بھی ان مشاغل کو پسند کیا۔ بہرحال اس خطرناک زندگی کی علت اولیٰ۔ ذاتی قوت اور خارجی تحریص تھی۔ لیکن کچھ دنوں بعد جلاوطن اُندلسیوں سے ہمدردی کرنے کا خیال اسمیں اور شامل ہو گیا

جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ مجمع الجزائر یونان سے بحر روم میں چلا آیا۔ پھر اسمیں جاہ و جلال حاصل کرنے کی آرزو شامل ہوئی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ عروج نے الجزائر میں ایک مستقل حکومت قایم کی۔ خیر الدین کی تخت نشینی پر بابعالی کی مساعدت نے اُس علت اولے میں ایک اَور نئی تبدیلی پیدا کردی۔ خیرالدین نے گو اندلسیوں سے پوری ہمدردی کی لیکن اخیر میں جاہ و حشمت اور تاج و تخت کا خیال غالب ہوگیا۔ اور اُسکا یہ نتیجہ ہوا کہ اُسنے الجزائر کے ایوانِ حکومت کو محفوظ و مستحکم کرنے کی طرف خصوصیت سے توجہ کی اور اُسکے ساتھ اہل اسپین اور مجاہدین روڈس پر انتقاماً اور عداوتاً حملے کیے اور یورپ کی بعض قوموں پر رسماً اور رواجاً تاخت و تاراج کیں۔ خیرالدین کے انتقال پر سلطنت کا استحکام تو مکمل ہوگیا تھا مگر ملک گیری کی ہوس بدستور سابق رہی۔ اسکے جانشین اگرچہ وہ اخلاص اور نیک نیتی رکھتے تھے لیکن کچھ شک نہیں کہ سچے اور ناموَر شجاع تھے اور اعلےٰ درجہ کا رزمیانہ مذاق رکھتے تھے۔ انکا دَور یوں تو سولھویں صدی کے بعد تک رہا مگر جیسا کہ ہم بتلا چکے ہیں شجاعانہ صفات میں لیپنٹو کے معرکہ سے تنزل شروع ہوگیا اس سے ترکی اور بربر کی متحدہ بحری قوت کو اسقدر سخت صدمہ پہنچا کہ پھر آخر تک تلافی مافات جیسی کہ چاہیئے تھی ممکن نہوئی۔ یہ درست ہے کہ جنگی جہاز اور جنگجو سپاہی پھر میسر ہوگئے۔ اہل وینس پر اس متحدہ بیڑے نے پھر حملے کیے اور پھر حسب دلخواہ شرائط صلح پر مجبور کیا۔ علی العلوجی کے بعد اَور ناموَر کپتان بھی ہوئے مثلاً ولاد علی پاشا جسنے موریا کو بزور شمشیر فتح کیا۔ اور اپنا زور مندیٹر الیکر یونان کے ساحل کو بھی

متحدہ بیڑے کی قوت کا زوال۔

گھیر گھیر لیا۔ مگر بااینہمہ وہ عظمت واقتدار اور وہ سطوت وجبروت جو لپنٹو کے معرکہ سے پہلے متحدہ بیڑے کو حاصل تھا پھر کبھی میسر نہوا اس لئے کہ عظمت کا طلسم ٹوٹ چکا تھا۔ دول یورپ نے متحدہ بیڑے کو مغلوب نہ ہونے والی طاقت سمجھنا چھوڑ دیا تھا اور گو علانیہ مقابلہ پر آنے کی جرأت اُنمیں کہیں سترھویں صدی کے اخیر پر جاکے پیدا ہوئی۔ مگر یورپ کی حکمراں اور تجار قومیں گھروں میں بیٹھکر ترکی بربری عظمت کو تسلیم نہ کرتی تھیں۔ اور سمجھتی تھیں کہ جو آج مغلوب ہوچکے ہیں وہ کل پھر مغلوب ہوسکتے ہیں

ترکی بحری قوت کے اسباب زوال

تنزل کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ اب ٹرکی کی شمالی حد پر روسی کھٹکا لگ گیا تھا روسیوں نے سالہا سال کی خونریز لڑائیوں کے بعد وحشی ترکمانوں کے بندِ غلامی سے آزاد ہوکر اور اپنی قومیت الگ قایم کرکے بحیرۂ اسود کی طرف بڑھنا شروع کردیا تھا۔ شاہ ایون اور ملکہ کتھرائن کی ڈپلومیٹک چالبازی اور فوجی پیشقدمی کی روک تھام سے بابعالی کو اب اسقدر فرصت نہ تھی کہ بحر روم اور اُسکے آس پاس کے قطعوں میں ترکی عظمت واقتدار کو قایم رکھنا ضروری سمجھتا۔ اور اس شمالی دیوتا کے پولٹیکل منتروں کو نظرانداز کردیتا۔ اہل بربر کے حق میں یہ بات بہت مضر ہوئی۔ کیونکہ اُنکو ابتک سلطان روم کی قوتِ بازو علانیہ کجی کی طرف مائل ہونے سے روکتی رہی تھی۔ لیکن ابتداء سترھویں صدی سے جیسے جیسے ترکوں کا ظلِ حمایت اُٹھتا گیا۔ ویسے ویسے یہ نومسلم یورپین کھلے لٹیرے بنتے گئے۔

ہم ابتک ناظرین کو زیادہ اقصائے مغرب کی حدود سے باہر بحر روم یا یورپ کے

جنوبی قطعہ آب میں سیر کراتے پھرے ہیں۔خاص پایۂ تخت اور ملک کے حالات کو ۱۰۴۱ھ کے بعد سے تقریباً نظر انداز رکھا ہے اور نہ فرمانرواؤں کا سلسلہ وار کچھ ذکر کیا ہے۔ اسکے دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ ملک کا تمام تر زور ترکی قوت میں مدغم ہو کر خارجی مہمات میں مصروف رہتا تھا۔ اور ملک و قلب سلطنت میں مقامی گورنروں کے لئے نہایت معمولی مشاغل رہجاتے تھے۔ مثلاً نظم و نسق کرنا۔ ہمسر و ہمسایہ ریاستوں سے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنا۔ یورپ کے ساحلوں پر انتقاماً یا جواباً ترکتاز کشتیاں بھیجنا۔ یا بحیرۂ روم میں دَورے کر کے مخالف جہازوں کو گرفتار کرنا۔ وغیرہ۔ اور چونکہ انمیں سے ہر قسم کے واقعات تمثیلاً ہدیۂ ناظرین ہو چکے ہیں۔ اسلئے قلم انداز کیے گئے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ انیسویں صدی کے فن تاریخ نویسی میں وہ واقعات لینا جائز نہیں جو فرمانروائے وقت کی ذات اور اُسکے محلسرا تک محدود تھے۔ بلکہ جن واقعات کا اثر ایوانِ حکومت سے نکلکر قوم و ملک اور ہمسایوں پر پڑتا تھا صرف وہی تاریخ کی حد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ کہ فرمانروا نے شخصی حیثیت سے کیا کیا اور کیا کہا۔ غیر متعلقہ واقعات ہیں۔

الجزائر کے نامی گورنر

الجزائر کے گورنر۔ پاشا۔ یا بگلر بیگ کہلاتے تھے۔ جیسا کہ نویں باب کے خاتمہ پر اشارتاً بیان کیا گیا ہے۔ علی العلوجی یہاں کا سترھواں پاشا تھا۔ اسکے متقدمین میں سے عروج کے بعد چند ہی گورنر ممتاز گذرے ہیں۔ مثلاً حسن بن خیر الدین جو مالٹا کے محاصرہ میں شریک تھا۔ صالح بن صالح رئیس جسنے فیض اور بوجیہ کو فتح کیا۔ اکثر کی خدمات قسطنطنیہ میں منتقل ہو گئیں جنمیں سے بعض کے نام فہرست مندرجہ باب ۱۰ میں

درج ہیں۔ انھوں نے ترکی امیر البحر ہونے کی حیثیت سے یورپ میں فتوحات کیں۔ باقی ملک کی چھوٹی چھوٹی مہمات میں مصروف رہے۔ سنہ ۱۵۷۲ء میں جب علی العلوجی گورنر الجزائر سے ترکی امیر البحر ہو گر گیا تو اسکے بعد ۱۴ برس میں ۹ گورنر ایک دوسرے کے بعد مقرر ہوئے۔ انمیں بکثرت نو مسلم یورپین تھے مثلاً رمضان ۱۵۷۴ء سے ۱۵۷۷ء تک حسن سنہ ۱۵۸۰ء تک جعفر ۱۵۸۲ء تک حسن بار ثانی ۱۵۸۳ء تک ہیمی رئیس ۱۵۸۶ء تک۔ یہ سب باستثنا حسن پاشا۔ دانشمند رحمدل۔ اور منصف مزاج تھے۔

گورنری اور سپہ سالاری جدا ہو گئیں۔

سنہ ۱۵۸۶ء سے گورمنٹ میں ایک نئی تبدیلی واقع ہوئی۔ یعنی ابتک رزم و بزم ایک ہی شخص کی ذات میں جمع تھیں جسکو اہل الجزائر خود منتخب کر کے باب عالی میں اطلاع بھیجدیتے تھے اور وہاں سے سند و علامات گورنری عطا ہو جاتی تھیں۔ مگر اب سے فوجی سردار تو بدستور سابق منتخب ہونے لگے۔ اور عامل قسطنطنیہ سے منتخب ہو کر آنے لگے آخیر پر یہ نوبت پہنچی کہ جسطرح اُس زمانہ میں انگلستان میں ڈیوک اور ارل کے خطابات بکا کرتے تھے اسیطرح الجزائر کی گورنری بکنے لگی۔ جو بڑھکر قیمت دیتا گورنر بنجاتا۔ اس طریقۂ انتخاب میں نہ تو قابل ہونے کی شرط تھی اور نہ ملکی ہونے کی۔ ترک بھی منتخب ہو سکتا تھا۔ اور بربری یا نو مسلم یورپین بھی۔ گورنری کے اہم منصب پر اسکا اچھا اثر نہیں پڑا۔ علاوہ ازیں عامل اور سپہ سالار میں اکثر اَن بَن رہتی تھی۔ اور اہل ملک کو بیجا تشدد سہنا پڑتے تھے۔

سنہ ۱۶۷۱ء سے جب الجزائر کی گورمنٹ کے دو حصے ہو گئے۔ تو تاریخ بھی دو

حصّوں پر تقسیم ہوگئی خارجی اور ملکی۔ پہلے میں امیر البحر۔ سپہ سالار۔ اور عام جہازرانوں اور کپتانوں کے کارنامے ہیں۔ اور دوسرے میں عاملوں اور مدبروں کے عہد کے مشہور واقعات مذکور ہیں۔ سپہ سالاروں میں دو شخص نہایت الوالعزم اور دلیر گذرے ہیں یعنی امیر البحر مراد اعظم اور جرنیل علی۔

مراد اعظم اور اسکے کارنامے

مراد رئیس الجزائر کے آخری زمانہ کے غارتگر کپتانوں میں سب سے زیادہ خوفناک تھا اسکی بڑی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ متقدمین کی طرح اسکی رگوں میں یورپین خون موجزن تھا یہ البانیا کے ایک معزز عیسائی خاندان سے تھا[1]۔ بچپن میں اسیران جنگ کے ساتھ الجزائر نخاس میں بکنے آیا۔ اور یہاں مصطفٰے پاشا نے اسکو خرید لیا۔ ابھی بارہ برس کا تھا کہ نامور آقا کو اپنی دلیری اور جرأت کا ثبوت دینے لگا چنانچہ مالٹا کے محاصرہ میں یہ مصطفٰے کے بہت کام آیا۔ دوران جنگ میں یہ جاسوس بنکر سمندر میں ادھر اُدھر تاک میں پھر رہا تھا کہ اسکی چھوٹی سی کشتی کسی چٹان سے ٹکراکر ٹوٹ گئی۔ مراد کو اس بات سے غیرت آئی کہ واپس جاکر آقا سے اپنی نالائقی اور ناتجربہ کاری کا اعتراف کرے۔ اسلئے یہاں سے افتاں وخیزاں بالا بالا الجزائر آیا اور پندرہ بلیوں کا ایک ہلکا سا برگنٹین لیکر شکار کی تلاش میں چلا۔ بربر کے نو آموز قزاق اکثر اسپین کے ساحل کو تختہ مشق بنایا کرتے تھے۔ کچھ تو اسلئے کہ یہ الجزائر کے ساحل سے قریب تر تھا۔ اور کچھ اسلئے کہ مالٹا والوں کی طرح اہل اسپین بھی ہمیشہ بربریوں کے درپے رہتے تھے۔ الغرض مراد نے

---

[1] دیکھو لین پول صفحہ ۱۹۲۔

اس چھوٹی سی کشتی سے تین کیتھلک جہاز اور قریباً ڈیڑھ سو آدمی گرفتار کئے۔ اسیطرح جب علی العلوجی نے مجاہدوں کے امیر البحر سینٹ کلیمنٹ پر حملہ کر کے اُسکے جہاز گرفتار کیے تھے تو مراد اس معرکہ میں اسکا شریک تھا۔[۱]

ایک مرتبہ ۱۵۷۸ء میں مراد رئیس آٹھ شکاری کشتیوں سمیت صوبۂ کلیبریا کے قریب منڈلاتا پھرتا تھا کہ دور سے سسلی کا پھریرا اُفق پر نمودار ہوا۔ قریب آنے پر معلوم ہوا کہ علم بردار معہ ایک اَور جہاز کے آتا ہے۔ اسمیں ڈیوک (نواب) ٹیرا نووا اپنے خواص سمیت غالباً بارگاہ روم کو بغرض اظہار عبودیت جارہا تھا۔ بربری گیلی کو دیکھتے ہی سسلی کے علم بردار نے سراسیمہ ہوکر پشت دی۔ مگر مراد نے حیرت انگیز عجلت سے بڑھکر عقب جہاز کو گھیر لیا۔ ادھر ڈیوک بھی اسکو غنیمت سمجھا اور سراول میں جان بچاکر بھاگا۔

ڈیوک ٹیرانووا کی شکست

ابتک بربر کے کسی کپتان نے سمندر کے اندرونی حصوں میں سفر نہ کیا تھا۔ بلکہ عام طور پر خشکی کے آس پاس لگے رہا کرتے تھے۔ لیکن مراد رئیس ایک مرتبہ بحر ظلمات میں اسقدر دور نکلگیا کہ زمین نظر سے غائب ہوگئی۔ راستہ میں اسنے جزیرۂ لنزاروٹ پر جو افریقہ کے مغرب میں جزائر کینری میں سے ہے حملہ کیا اور شہر اور گورنر کے محلسرا کو لوٹ لیا۔ اسیطرح ۱۵۸۹ء میں ایک مرتبہ مالٹا کے قریب دورہ کرتے ہوئے اُسنے کسی یورپین قوم کے دو تین تجارتی جہاز گرفتار کیے اور اُنکو لیکر الجزائر کو پلٹا۔ اُدھر سے مالٹا کے غارتگر دو ترکی جہاز پکڑکر مالٹا کو لیے آتے تھے۔ راستہ میں دونوں فریقوں کے

مراد رئیس بحر ظلمات میں

جزائر کینری پر تاخت

[۱] ایک یورپین مورخ لکھتا ہے کہ علی العلوجی کو یہ نمایاں کامیابی مراد ہی کی چابکدستی اور جرأت سے حاصل ہوئی تھی۔ لین پول صفحہ ۱۹۲

مقابلہ ہوا۔ ہرچند کہ مجاہدین کا صلیبی جھنڈا اس زمانہ کے جہازرانوں کے لئے تصویر مرگ
تھی۔ بربری قزاق بھی بعض وقت انکو طرح دیجاتے تھے۔ لیکن مرادرئیس اس دل گردہ کا
آدمی نہیں تھا کہ ڈر کر بھاگ جاتا۔ اسنے مقابلہ کو بخت واتفاق پر موقوف نہیں رکھا بلکہ

جہاز سیرینا کی گرفتاری

خود پیشدستی کی۔ اور ذرا کاواکاٹ کر سیرینا نامی جہاز کو ایک ہلکی سی کشتی سے اسطرح اچانک
جالیا کہ کپتان اور سپاہی سنبھلنے بھی نہ پائے۔ صرف آدھ گھنٹہ کی کشمکش میں سیرینا کے
مستول پر ہلالی پرچم لہرانے لگا۔ ان تینوں چاروں جہازوں کو سنبھالکر فتحمند کپتان
دو تین ہی فرسنگ بڑھنے پایا تھا کہ جزیرہ مجورکا کے ایک لٹیرے سے دوچار
ہوئی۔ یہ بھی بحیرۂ روم سے ایک تجارتی جہاز گرفتار کرکے مجورکا کو لئے جا رہا تھا۔

مراد کی کامیابی اور اعظم کا خطاب

مراد نے اسکو بھی لے ڈالا اور لوٹ کے جہازوں کا یہ مختصر بیڑا جلو میں لئے بندرگاہ
الجزائر میں داخل ہوا۔ اُس روز شہر میں بڑی خوشی منائی گئی۔ اور مرادرئیس کو
"اعظم" کا خطاب دیکر الجزائر کا امیرالبحر منتخب کر لیا گیا۔

امیرالبحر بنکر مراد اعظم نے جہازرانی اور غارتگری دونوں فنوں میں بڑا کمال پیدا کیا
۱۵۹۴ء میں اسنے چار ہلکے کشتی نما جہاز لیکر سمندر کا دورہ کیا۔ راستہ میں فلورینس کے
چند غارتگر دو جہاز لئے آتے تھے۔ مراد اعظم نے اس شکار کو دور سے تاکا اور فی الفور
یہ چال چلی کہ اپنے دو جہازوں کے مستول گرا کر انکو علیحدہ کر دیا۔ فلورینس والے جو
شکار کی تلاش میں گھر سے نکلے تھے۔ سمجھے کہ یہ تجارتی جہاز ہیں اور خوشی خوشی انکی
طرف بڑھے۔ زیادہ قریب نہ پہنچنے پائے تھے کہ مراد اعظم نے اپنے باقی دو جہازوں

سمیت یک بیک برابر سے نکلکر ایک ہی ہلہ میں دونوں کو لے ڈالا۔ ان جہازوں پر غلام خلاصی۔ ترک تھے۔ پس مراد نے انکو توڑ ہا کیا اور جہازوں کے کپتانوں و دافسروں کو پابزنجیر کرکے اُنکی جگہہ خلاصی بنایا[۱]۔

جرنیل علی کی ترکتازیاں

مراد اعظم کے بعد سترھویں صدی کے وسط میں علی رئیس نامی ایک نو مشہور کپتان گذرا ہے جو جہازرانی اور جنگ آزمائی میں باربروسہ کا ہم پلہ تھا۔ یہ ایک نومسلم کپتان کا بیٹا تھا جو یورپ کے ایک عیسائی خاندان سے تھا۔ اور بچپن میں گیر ودار کے ذیل میں آکر غلام بنالیا گیا تھا۔ اور بربر کے نومسلم غارتگروں کے اصولِ ترقی کے موافق رفتہ رفتہ ایک نامور کپتان بنگیا تھا۔ ۱۶۳۸ء میں علی رئیس نے سولہ جہازوں کا ایک بیڑا لیکر اٹلی کے مشرقی ساحل پر حملہ کیا اور صوبہ اپولیا کے اُس حصہ کو جو نکوٹرا کہلاتا ہے سخت بیرحمی سے لوٹ لیا۔ یہاں سے پلٹ کر بحر اڈریاٹک میں وارد ہوا اور خلیج کیٹرو کے قریب اسپین کا ایک تجارتی جہاز پکڑا۔ اور تمام قطعۂ آب میں گھوم کر وینس کے کئی تجارتی جہاز گرفتار کئے۔ جب اِن عالمگیر ترکتازیوں کی خبر وینس میں پہنچی تو سنیٹ نے ایک زبردست بیڑا بسرکردگی امیر البحر کیپیلو علی رئیس کی سرکوبی کو بھیجا۔

یہ ظاہر ہے کہ علی رئیس بابعالی کے اشارہ سے ترکتازیاں نکرتا تھا۔ بلکہ اُس زمانہ کی رسم ہی یہ تھی۔ ہر قوم اور ہر سلطنت کے لُٹیرے تمام سمندر میں لوٹ مار کرتے پھرتے تھے اور جب تعاقب سے مجبور ہوتے تھے تو اپنی گورنمنٹ کے دامن میں آچھپتے تھے۔ پیاسی

---

[۱] دیکھو تاریخ مارگن صفحہ ۵۵ تا صفحہ ۵۵۹ - ۵۰۰ و ۵۹۷ و ۶۰۷ -

حمایت عہد شکنی یا معاندت کی علامت نہ سمجھی جاتی تھی اور نہ اشتہار جنگ کا مرادف خیال کیجاتی تھی۔ لیکن بااینہمہ جب علی رئیس نے عروسی جرنیل سے بچکر صوبۂ البانیا کے بلونا نامی ترکی قلعہ میں پناہ لی۔ توجرنیل نے باوجودیکہ بابعالی اور عروس البحر میں دوستی تھی قلعۂ مذکور پر حملہ کرکے سخت کشت وخون کیا اور بربری کشتیوں کے ساتھ اُن چندترکی جہازوں کو بھی تباہ کرڈالا جو قلعہ کی محافظت کرتے تھے۔ اسپر ایک زورمند ترکی بیڑے نے سنیٹ کی سخت گوشمالی کی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ سنیٹ کو پانچ لاکھ ڈوکیٹ بطور تاوانِ جنگ ادا کرنا پڑے اور جرنیل کو سخت سرزنش کی۔

جرنیل علی کے بیڑے کی تباہی

وینس کی گوشمالی

اگرچہ اس معرکہ میں جرنیل علی کے بیڑے کا بیشتر حصہ غارت ہوگیا تھا مگر اسنے ایک جدید بیڑا تیار کرلیا جسمیں نئے پرانے کل ملاکر ۶۵ جہاز اور چھ سو غلام خلاصی تھے اس بیڑے کی بدولت اُسنے تمام بحروبر میں بڑی شہرت پیدا کی۔ خاصکر جنوبی یورپ میں اپنے نام کا سکہ جمادیا۔ جنرل علی گو ایک یورپین نومسلم کا بیٹا تھا مگر اس بات سے سخت جلتا تھا کہ یورپین بربر میں آکر اور نومسلم بنکر نام اور وضع بدل ڈالے چنانچہ ایک مرتبہ کسی فرانسیسی نے مذہب بدلکر حسب معمول نام اور وضع بھی بدل ڈالی جنرل علی نے اُسکو یہاں تک تنگ کیا کہ آخر کار بیچارے کو مصطفےٰ چھوڑکر پھر جان بننا پڑا۔ اسنے اپنے جہازوں کے لئے ایک الگ سٹیشن بناکر اسی کے قریب غلام خلاصیوں کے لئے ایک بڑا مکان سرائے کی قطع کا بنایا۔ یہ "جرنیل علی کی خان" مشہور تھا۔ اور الجزائر کے سب سے بہتر اور فرحت افزا موقع پر تھا۔ اسکے گرد سیب کے ہرے ہرے

جرنیل علی کی حمایت

جرنیل علی کی خان

درختوں کا ایک حلقہ تھا جنکی بارور ٹہنیاں جھک جھک کر بالاخانوں کی کھڑکیوں میں پہنچتی تھیں۔ایک مرتبہ علی نے اُس سرائے میں ایک بڑی بھاری ضیافت دی اور الجزائر کے تمام جنگی اور ملکی افسروں۔شہر کے رئیسوں اور گورنر تک کو بلایا۔کھانے شہر میں جرنیل کے مطبخ میں پکتے تھے جو سرائے سے دو میل کے فاصلہ پر تھا۔اور غلاموں کے دست بدست سرائے تک پہنچتے تھے۔کہتے ہیں کہ اس بُعد کے باوجود مہمانوں کو اسقدر گرم کھانا پہنچتا تھا کہ قابوں میں سے بھاپ اُٹھتی تھی۔یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسیحی غلاموں کو چوری کا کسقدر چسکا تھا چنانچہ راستہ میں اتنا کھانا چُرا کر کھا گئے کہ اگر میوہ جات کی مدد نہ ملتی تو مہمان ہی بھوکے رہجاتے۔

جرنیل علی کا مسیحی غلاموں سے برتاؤ

جرنیل علی کہا کرتا تھا کہ میرے غلاموں کی انگلیوں میں ٹکیں لگی ہیں جو چیز انمیں ایک مرتبہ آجاتی ہے وہ سلامت نہیں رہتی۔یہ اپنے غلاموں کو اَوروں کی طرح مقررہ روزینہ نہ دیتا تھا بلکہ بجائے اسکے دن بھر میں دو گھنٹہ کی چھٹی دیکر کہدیتا تھا کہ اگر اس عرصہ میں تمنے اگلے دن تک کے کھانے سے فراغت نہ پالی تو تُم سے بڑھکر شاید دنیا میں کوئی بیوقوف نہوگا۔ایک مرتبہ ایک غلام کو علی کا چھلا پڑا ملگیا۔اس بیچارے نے دیانتداری میں آکر بجنسہ دیدیا۔جرنیل نے اسے انعام میں آدھا ڈوکیٹ دیکر کہا کہ تم بڑے احمق ہو کہ جس چیز سے تمھارا فدیہ ادا ہو سکتا تھا وہ تمنے یوں ہی ہاتھ سے کھودی۔ایک اَور غلام نے خاص جرنیل کے جہاز کے لنگر کی

ل لین پول صفحہ ۱۹۵-۱۹۶-

زنجیر خریالی اور کسی لوہار سے اُسکا سودا ٹھیرایا۔ مگر خبر ہوگئی اور غلام مال مسروقہ سمیت پکڑا گیا۔ جرنیل نے اُسکو بہت شاباشی دی اور کہا کہ تم پورے غلام ہو۔ اسواسطے کمکھانا جانتے ہو۔ اِن حرکتوں سے علی کے غلام انتہا درجہ کے چور ٹے اُچکے بنگئے تھے۔ یہاں تک کہ اُسکا کمرۂ عدالت نیلام گاہ بنگیا تھا۔ جہاں ہر روز لوگ اپنی گم شدہ چیزیں خود آکر بذریعۂ نیلام خریدتے تھے اور جرنیل اُنسے کہا کرتا تھا کہ جب تم چیز کی حفاظت کرنا نہیں جانتے ہو تو لازم ہے کہ کچھ جرمانہ دو۔ علی کو دوسروں کے بھید معلوم کرنے میں بلا کا ملکہ تھا۔ نئے قیدیوں سے انتہا درجہ کی تہذیب اور خلق سے پیش آتا تھا۔ معمولی مسافروں کو نواب صاحب! نواب صاحب! اور الجناب عالی کہکر۔ اور کم درجہ کے پادریوں کو "حضور اقدس" اور "جناب مقدس" کہکر اسطرح مخاطب کرتا کہ یہ بیچارے اپنا کچا چٹھا سنا دیتے اور اپنے مرتبہ وحیثیت سے آگاہ کرکے اپنا فدیہ آپ ہی مقرر کرلیتے اور عزیزوں کو خط بھیجکر اطلاع دیدیتے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی تھا کہ علی جو اقرار کرلیتا اُس سے کبھی منحرف نہوتا تھا اُسکا قول تھا کہ "میرا قول میرا فعل ہے"۔ علی کے مذہبی خیالات بھی آزادانہ تھے۔ ایک مرتبہ پادری اینجلو نامی ایک قیدی سے اس نے مزاحاً کہا کہ "میرا کیا انجام ہوگا؟" پادری جلا ہوا تو تھا ہی۔ بولا کہ "تجھے مرکر شیطان کا حوالہ ہوگا"۔ علی مُسکرا کر چپ ہوگیا۔ ایک اَور نومسلم نے جو اتفاقاً فقہ پڑھکر شیخ ہوگیا تھا۔ علی سے ایک غلام مانگا تاکہ اُسکی قربانی دے۔ علی نے ایک مضبوط اور قوی ہیکل غلام کو ہرطرح مسلح شیخ کے پاس بھیجدیا اور کہلا بھیجا

جنرل علی کے خصائل صفات

کہ اگر تم سے ہو سکے تو اسکو پھینٹ میں وید و شیخ نے شکایت کی تو جواب دیا کہ قربانی کا ثواب تو نہیں یوں ہی مل سکتا ہے۔ ولیم ثالث شاہ انگلستان علی کو سلطانوں کی طرح مخاطب کرتا تھا اور خطوں میں اپنے آپ کو آپ کا (لونگ فرینڈ) محبت والا دوست لکھتا تھا۔

حکومت ٹیونس

ٹیونس کی قوت بھی اگرچہ الجزائر کے ہم پلہ نہ تھی مگر فی الجملہ کافی تھی اسکی حکومت بحر روم کے دروبست مشرقی حصہ پر تھی۔ یہاں کے قزاق عام طور پر مالٹا کے رستہ میں اور اُسطرف بحر اڈریاٹک میں شکار کھیلتے تھے۔ ٹیونس میں ۱۵۹۰ء سے ۱۷۰۵ء تک تیس گورنر قسطنطنیہ سے مقرر ہو کر آئے جنمیں سے ہر ایک نے بحساب اوسط چار برس حکومت کی۔ اکثر تخت سے برطرف ہوئے بعض قتل ہوئے۔ بعض کو زہر دیا گیا۔ ۱۷۰۵ء میں جنگی قوت بالکل برگشتہ ہوگئی اور الجزائر کی طرح اپنا جرنیل آپ مقرر کرنے لگی جسکو بالآخر باب عالی نے منظور کیا۔ اسوقت سے اٹھارھویں صدی کے ختم تک گیارہ گورنروں نے ایک دوسرے کے بعد حکومت کی۔ اسکے بعد فرانسیسی دخل شروع ہوگیا۔ اِس زمانہ کی خارجی اور ملکی تاریخ میں وہی غارتگری اور بدنظمی کے واقعات پائے جاتے ہیں جو الجزائر کی حالت میں بیان ہو چکے۔ چھوٹی چھوٹی ترکتازیاں کرنا یا ہمسایہ ریاستوں سے حدبندی کی بنا پر جھگڑ بیٹھنا۔ تجار ریاستوں سے محصول آمد و رفت وصول کرنا۔ وغیرہ واقعات سے زیادہ اَور کوئی خاص بات نہیں پائی جاتی تمام گورنروں کے حالات بیان کرنا کچھ طول امل معلوم ہوتا ہے۔ اٹھارھویں

گورنروں کا عزل و نصب

صدی کے شروع میں جو گورنر تھے۔ انمیں سے بعض کے حالات مناسب ہونگے مثلاً حسن چاوش جو ۱۷۰۰ء میں برطرف ہوا اور سپاہیوں کا آغا۔ مصطفٰے مقرر ہوا۔ اسکے زمانہ میں اہل ٹیونس نے سرحدی علاقہ کے باشندوں پر بیجا تشدد کیے۔ اسلئے مصطفٰے نے ٹیونس پر فوجکشی کرکے اسکو فتح کیا اور مراکو پر بھی جا چڑھائی کی ۱۷۰۶ء میں عزین خواجہ تخت نشین ہوا اسنے ایک سال کی حکومت میں اوران فتح کیا۔ ۱۷۰۷ء میں بختاش خواجہ مقرر ہوا اور جلوس کے تیسرے سال دربار میں قتل ہوا۔ پھر ایک نو مسلم یورپین ابراہیم دیلی مقرر ہوا مگر اسکے اطوار نہایت ناپسندیدہ تھے۔ تنگ چشم۔ ذلیل دنی الطبع۔ رعایا میں بہت جلد بدنام ہوگیا اور بیوقوف کہلانے لگا۔ صرف چند ماہ حکومت کرنے پایا تھا کہ اہل شہر نے باغی ہوکر قتل کرڈالا اور اُسکی لاش منظر عام پر لٹکا دی۔ ۱۷۱۰ء میں علی نامی ایک شخص گورنر ہوا۔ یہ کسیقدر پولیٹکل آدمی تھا۔ اسوقت تک ملک میں جسقدر سازشیں۔ مفسدے۔ یا طوائف الملوکی ہوتی تھی اُسکی علت اولٰے کسی نہ کسی طرح اسکے سوا اَور کچھ نہ تھی کہ الجزائر کے ترکوں اور یورپین نو مسلموں میں نہ بنتی تھی۔ اور اگر اتفاقاً ایک فریق کا آدمی سپہ سالار ہوتا اور دوسرے کا عامل تو سخت طوفان برپا رہتا تھا۔ علی نے اِس اعلٰی منصب پر جمکر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ اپنے مقابل گروہ کو ضعیف کیا اور آٹھ برس کی حکومت میں قریبًا تین ہزار ترکوں کو بغاوت کے جرم میں ماخوذ کرکے قتل کرڈالا۔

اِن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سے الجزائر میں عامل اور سپہ سالار

سپہ سالاری اور [illegible]

الگ الگ منتخب ہونے لگے تھے تب سے حکمراں قوت کے گویا پرخچے اُڑ گئے تھے اور چونکہ سپہ سالار کا انتخاب اور تقرر جاں نثاری فوج میں سے اور جاں نثاریوں میں سے عمل میں آتا تھا اور اس فوج کی قوت اور اختیارات خاص قسطنطنیہ کی طرح الجزائر میں بھی نہایت وسیع تھے۔ اسلئے ملک میں سپہ سالار کا اثر روز بروز بڑھتا گیا۔

گورنری کی شکست

یہانتک کہ رفتہ رفتہ گورنری بھی اسی میں مدغم ہوگئی۔ ابتک پاشا لوٹ مار اور ڈاکہ زنی ضرور کرتے تھے مگر کپتانوں کے ذریعہ سے کرتے تھے جو رئیس کہلاتے تھے۔ اور اس قسم کے مشاغل کا علانیہ اعتراف نہ کرتے تھے۔ لیکن جاں نثاریوں کے منتخب کیے ہوئے گورنر نہ اپنی اصلیت چھپاتے تھے اور نہ اپنی بے اصول زندگی کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ محمد پاشا نے جو ۱۷۶۰ء

محمد پاشا

میں الجزائر کا حاکم تھا ایک فرانسیسی قونصل کو کسی بات پر بگڑکر جواب دیا کہ "میری ماں بھیڑوں کے پائے بیچا کرتی تھی اور باپ گائے کی جیب بیچا کرتا تھا۔ لیکن تمہارے جیسی لغو اور بیہودہ جیب بیچنے سے اُسکو بھی عار ہوتا"۔ اسیطرح ایک مرتبہ گورنر مذکور نے اسی قونصل سے اقرار کیا کہ "اہل الجزائر درحقیقت ٹھگوں اور لٹیروں کی ایک کمپنی ہے اور میں اُسکا سردار ہوں"۔

طرابلس

الجزائر اور ٹیونس کے علاوہ ٹریپولی یعنے طرابلس ایک اَور چھوٹا سا مامن غلبگیری تھا جسکی بحری قوت اگرچہ اتنی مضبوط نہ تھی مگر خطرناک اتنی ہی تھی۔

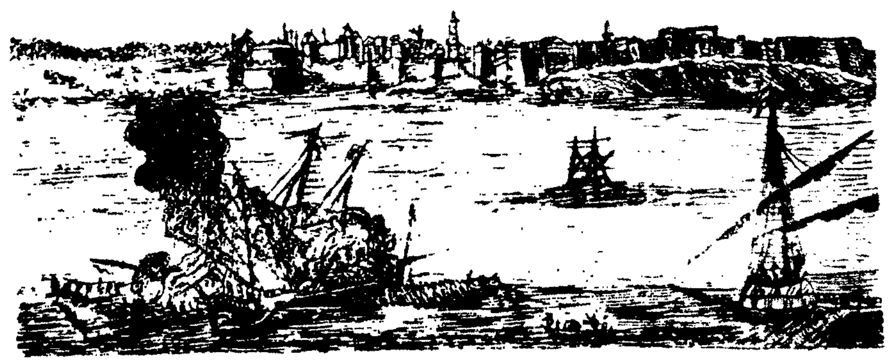
مراکو

سلطنت مراکو ریاستہائے بربر میں شمار نہیں ہوسکتی۔ اسلئے ہم اُسکو اس

تین سو برس کے زمانہ کی تاریخ میں شامل نہیں کر سکتے۔ پھر بھی سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی غارتگروں سے خالی نہ تھی۔ الجزائر کے قزاقوں کے حملے تو آبنائے جبل الطارق کے اندر ہوتے تھے اور ان کے باہر ایک زمانہ میں شہر تیتوان جو تجارت کی بڑی منڈی تھی قزاقوں کے لئے نہایت مشہور تھا۔ سنہ ۱۵۴۶ء میں فلپ ثانی شاہ اسپین نے حملہ کر کے اسکو تباہ کر ڈالا۔ مراکو میں غارتگری کے تین بڑے مرکز تھے۔ سیوطہ۔ تنجیر یا طنجہ۔ اور سیلی۔ سیوطہ پر مختلف قوموں کا قبضہ رہا۔ اول اسپین کا۔ پھر اہل جنیوا کا۔ پھر سنہ ۱۴۱۵ء میں پرتگال کا۔ آخر سنہ ۱۵۸۰ء میں اسپین نے پھر فتح کر لیا اور آجتک اسی کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔ تنجیر جو چارلس ثانی کی بی بی کیتھرائن ملکہ پرتگال کو جہیز میں ملا تھا اور عرصۂ دراز تک انگریزوں کے قبضہ میں رہا۔

مراکو کے اجمالی حالات

بندرگاہ سیلی اگرچہ شروع میں کوئی مشہور مقام نہ تھا۔ مگر اخیر زمانہ میں نہ صرف مشہور بلکہ ہر طرف بدنام ہو گیا تھا۔ اسکے چاروں طرف سنگلاخ بلندیاں اور ریت کے بڑے بڑے تودے حلقہ باندھے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ مغربی کنارہ پر ہلکے سے ہلکا جہاز بھی آسانی سے لنگر انداز نہ ہو سکتا تھا۔ علاوہ ازیں خاص خاص اوقات پر شمال مغربی سمت سے تیز آندھی چلتی تو سڑکیں بھی محفوظ نہ رہتی تھیں۔ اسکا یہ نتیجہ تھا کہ سیلی کے غارتگروں کے پاس کبھی کوئی جنگی بیڑا نہیں رہا بلکہ نہایت چھوٹی چھوٹی کشتیاں رہتی تھیں اور انہیں سے وہ سمندر میں لوٹ مار کرتے تھے چنانچہ سنہ ۱۶۳۷ء تک یہاں ایک بھی پورا جہاز نہ تھا۔ اور سو برس سے پہلے کے حالات پڑھنے سے

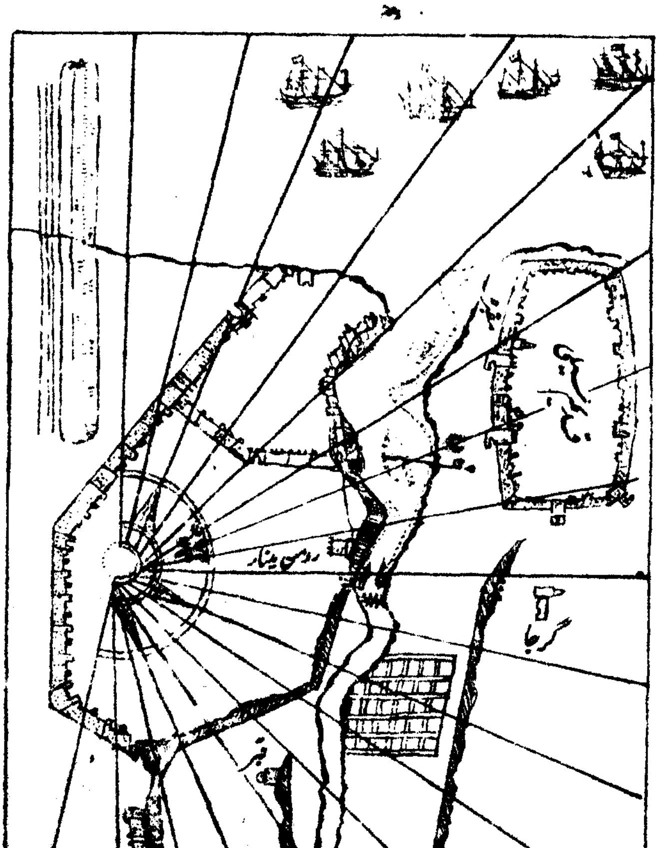


طرابلس الغرب

(سنہ ۱۶۷۰)

سیلی

شہر اور بندرگاہ



سنہ ۱۶۳۷ء

معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بھی ابتر حالت تھی۔ البتہ الجزائر و ٹیونس وغیرہ ہمسایہ ریاستوں کو دیکھکر اسنے بھی کروٹ لی اور صدی کے اخیر میں سخت بدنام ہوگئی۔ پھر بھی بڑے بڑے جنگی جہاز انکو کبھی نصیب نہیں ہوئے۔ چنانچہ ۱۶۳۷ء میں جب انھوں نے ایک دفعہ ریاست پرووینس کے چند تجارتی جہاز لوٹ لئے تو پیپو میر ایکٹن نامی کپتان نے صرف ایک بڑے جہاز سے انپر حملہ کیا اور انکے تین منجملہ پانچ جہاز غارت کر ڈالے۔ ۱۸۳۰ء میں مراکو اور اُسکے مضافات کی جنگی قوت چھ یا آٹھ جہاز دو دو سو ٹن وزنی تھے۔ اور اسلحہ میں سولہ توپیں تھیں جنمیں صرف چھ چھ پونڈ کا گولہ آتا تھا۔ انکے علاوہ چند گیلے جہاز بھی تھے۔

شروع میں سیلی کے لٹیروں نے باہم ملکر سلطان سے ایک معاہدہ کرلیا تھا جسکی رو سے غنیمت اور غلاموں کا دسواں حصہ خزانہ میں داخل کر دیتے تھے اور سلطان اسکے عوض میں اُنکی حتی الوسع حفاظت کرتا تھا۔ لیکن پھر گورنمنٹ کو ایسا چسکا پڑا کہ رفتہ رفتہ تمام لوٹ کے مال پر قبضہ کرنے لگی اور غارتگری کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔ اخیر کو سلطان نے یورپ کی بڑی بڑی تاجر قوموں سے براہ راست معاہدے کرلئے جنکی رو سے گرانبہا تحائف اور نذرانوں کے بدلے غارتگری مسدود ہوگئی۔

۱ ۱۷۲۱ء میں جو انگلستان نے کموڈور اسٹیوارٹ کے ذریعہ سے ایک سفارت مراکو کو بھیجی تھی اور جسکی رو سے ۲۹۶ انگریزی غلام آزاد ہوئے تھے۔ اور تجارتی جہازوں کی تلاشی لینے اور پکڑنے کی رسم مسدود ہوگئی تھی۔ اس سفارت کے حالات جان ونڈس نامی ایک شخص نے "میکنز کا سفر" کے نام سے ۱۷۲۵ء میں شائع کئے۔ یہ کتاب قابل دید ہے۔ اسیطرح کپتان جان برتھویٹ کی تاریخ سلطنت مراکو بڑی عمدہ کتاب ہے۔

ریاستہائے بربر کے اندرونی حالات نظرانداز کر کے دیکھیں تو یہ دوڈیڑھ سو برس کا زمانہ یورپ کے لئے عذاب الیم کا دور تھا ہر چند کہ لیپنٹو کی جنگ کے بعد اہل بربر میں وہ شجاعت نہ رہی تھی مگر باربروسہ اور اسکے ابتدائی جانشینوں نے یورپ کے دل پر دہ سکہ جمایا تھا کہ مغربی دنیا کی کسی قوم - نہ تجارت پیشہ - اور نہ حکمراں کو یہ حوصلہ ہوا کہ باہم ملکر انکی بیخکنی کرڈالتے - انھوں نے اپنی تجارت - اپنی حکومت - اپنی آزادی بلکہ عزت کو ان لٹیروں کے ہاتھ بیچ ڈالا - حالانکہ اگر تمام بربری جہازات اکٹھا ہوکر آتے تو یورپ کے ایک پورے اور باقاعدہ جنگی بیڑے کا مقابلہ نہ کرسکتے - یورپ ضعیف نتھا - نہ بزدل تھا - مگر کچھ شک نہیں کہ چالباز ضرور تھا - اور ہمیشہ خانہ جنگیوں میں اپنی قوت صرف کرتا رہتا تھا یہ چالبازی ہی تھی کہ فرانس نے گر پڑ کر الجزائر کو دوست بنایا تاکہ اسپین نیچا دیکھے اور بحری قوت میں ضعیف ہوجائے لوئیس شاہ فرانس کہا کرتا تھا کہ اگر الجزائر نہوتا تو اسپین کو زک دینے کے لئے مجھے کوئی اور الجزائر بنانا پڑتا - یہ چالبازی ہی تھی کہ سولھویں صدی میں ڈنمارک نے خود آگے بڑھکر الجزائر سے دوستی کی تاکہ یورپ کی چھوٹی چھوٹی تجارت پیشہ ریاستیں مثلاً وینس و جنیوا وغیرہ پامال ہوجائیں - انگلستان بھی چالبازی کے خیال سے خالی نتھا - اور عرصۂ دراز تک بربر کی ریاستوں کو سالانہ خراج دیتا رہا تاکہ اُسکا غارتگرانہ گوشۂ چشم انگلستان کے دشمنوں کی طرف پھرا رہے - اگر خانہ جنگی دیکھنا ہو تو انگلستان کی تاریخ میں اس زمانہ کے حالات پڑھو - اسوقت تمام برطانیہ میں بادشاہ اور رعایا کی باہمی لڑائیوں سے ایک طوفان برپا تھا - ولندیزوں میں بھی بہی پھوٹ پڑ رہی تھی

اور فرانس کے انقلاب عظیم کے اسباب بھی اسی زمانہ سے مہیا ہونا شروع ہوگئے تھے
صرف پچاس ساٹھ برس سے یورپنے ریاستہائے بربر کو نذرانہ دینا بند کیا ہے
ابھی تک یورپ مین ایسے آدمی موجود ہیں جنکو اچھی طرح یاد ہے کہ یورپین قونصل
فرمانروایان بربر کی نظروں میں کسقدر ذلیل ہوتے تھے اور گورنر کے دربار میں
گھٹنوں کے بل چلکر ایک نیچی جگہہ بیٹھا کرتے تھے سلہ سنہ ۱۸۰۴ء میں ایک فرانسیسی
قونصل دربار ٹیونس میں حاضر ہوا تو اسکو گورنر کا ہاتھ چومنے کا اشارہ ہوا۔ اُسنے انکار
کیا مگر پھر موت کے خوف سے ہاتھ چومنا پڑا۔ اسیطرح سنہ ۱۸۶۲ء میں انگریزی قونصل
کو یہی واقعہ پیش آیا۔ کسی یورپین سلطنت کی یہ مجال نہ تھی کہ خلاف ورزی کرے۔
آسٹریا نے سنہ ۱۸۲۸ء میں کچھ حجت کی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ بحر روم میں اسکے جہازوں کے
لئے قفل پڑگیا۔ آخر طوعاً کرہاً اسنے سالانہ خراج دینا منظور کیا۔ ولندیزا سقدر ذلیل
ہوئے کہ ٹیونس میں جو انکی رزیڈنسی کی کوٹھی تھی اُسپر ملکی جھنڈا لگانے کے لئے اُنکے
ایک قونصل نے گورنر سے باضابطہ اجازت مانگی اور گورنر نے اس حق کے معاوضہ
میں پندرہ ہزار سیکوئن (آدھا پونڈ یا سات روپیہ کا ہوتا ہے) سنہ [illegible] اہل وینس ہرچند
کہ آئے دن برسر مقابلہ رہتے تھے مگر سالانہ خراج ادا کئے بدون بحر روم سے صحیح و
سلامت نہ گذر سکتے تھے حتیٰ کہ اسپین جسکو جلاوطن اُندلسیوں کی وجہ سے بربر کے
ساتھ قلبی عداوت تھی وہ بھی آخرکار سالانہ خراج ادا کرنے پر مجبور ہوگیا تھا اور

سلہ دیکھو تاریخ براڈلے صفحہ ۱۵۔

ایک لاکھ پیاسٹر پیشکش کرتا تھا۔ اور ان سب سے بڑھکر یہ کہ ۱۷۹۵ء میں امریکا کی ریاستوں نے ایک عہدنامہ کے ذریعہ سے دوستی خریدی اور بڑی سخت قیمت دی یعنی پچاس ہزار ڈالر ایک۔ آٹھ ہزار ایک۔ اٹھائیس توپیں۔ دس ہزار گولے۔ باروت جہاز کے رستے۔ جواہرات۔ اتنا خراج سالانہ دیتی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ ہالینڈ سویڈن ڈنمارک۔ اسپین۔ امریکا میں سے کوئی ریاست نہ تھی جسکی پیشانی پر الجزائر نے قشقۂ اطاعت نہ کھینچا ہو۔ ہرچند کہ الجزائر کا بیڑا ۱۸۱۹ء میں ۲۵ جہازوں سے زیادہ کا نہ تھا۔ مگر ڈنمارک نے ۱۸۲۲ء میں ایک جدید معاہدہ کے بموجب حسب ذیل خراج دینا منظور کیا۔ پانچہزار ڈالر نقد۔ دس توپیں ہر ایک ۲۴ پونڈ وزنی گولہ کی۔ پچیس بڑے مستول۔ پانچ لنگر کی زنجیریں۔ ۵۰۰ پیپے باروت کے۔ پچیس سو بڑے گولے۔ پچاس پیپے بندوق کی باروت کے۔ اور کچھ تلواریں اور بندوقیں۔ اگر اسپر بھی کبھی الجزائر کا گورنر بگڑ جاتا تو ڈنمارک کو خراج کے بڑھانے میں تامل نہوتا۔ اہل وینس حمودہ پاشا گورنر الجزائر کو چالیس ہزار سیکوئن اور گرانبہا تحائف سالانہ ادا کرتے تھے۔

یورپین سلطنتوں کے قونصل بھی یہاں آکر بہت ذلیل رہتے تھے۔ اسکی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ دول یورپ ان عہدہ داروں کے انتخاب میں وجاہت اور قابلیت وغیرہ کا لحاظ نکرتی تھیں۔ اور کچھ اہل بربر کا برتاؤ بھی اچھا نہ تھا۔

---

[1] دیکھو لین پول صفحہ ۲۵۰ تا صفحہ ۲۵۹

بعض قونصل نالائق ہوتے تھے۔ بعض انتہادرجہ کے شرانگیز۔ کوئی چالباز۔ اور تمام تجارت پیشہ۔ جو اس عہدہ کی مصلحتوں کے خلاف تھا۔ اگر سفلہ مزاج اور حد سے زیادہ اطاعت گزین ہوتے تو اپنے حقوق کی حفاظت نہ کرسکتے۔ اور اگر دلیر اور آزادمنش ہوتے اور گورنر کے احکام کی تعمیل کرنے میں تامل کرتے تو اپنی ہی گورنمنٹ کے معتوب ہوتے۔ اسکے علاوہ ان بیچاروں کو اور بہت دقتیں تھیں مثلاً انگریزی قونصل سیکڑوں ہزاروں انگریزی قیدیوں کو اپنی ضمانت پر رہا کراتے مگر برٹش گورنمنٹ سے فدیہ میں کوڑی وصول نہوتی۔ اگر سمندر سے ذراسی مخالفت کی خبر آتی تو اہل الجزائر قونصل کے بنگلہ کو آکر گھیر لیتے اور اکثر اُسکو اور ساتھ میں اسکے ہموطن اور ہم مذہب باشندوں کو قیدخانہ میں ڈالدیتے۔ اُنکے گھر لوٹ لیتے جب کوئی ایک قونصل مقرر ہوکر آتا تو لازم تھا کہ تمام فوجی اور ملکی افسروں کو جُداجُدا قیمتی تحفے دے۔ اور چونکہ اہل بربر ایک شخص کو اس خوف سے کہ مبادا اسکا اثر و اقتدار حد سے بڑھجائے بہت دنوں تک اس منصب پر نہیں رہنے دیتے تھے

دول یورپ کا ہر نیا انداز اطاعت قدرتی طور پر عاملان الجزائر کے حوصلے بڑھاتا تھا۔ الجزائر کے کسی قونصل کے پاس مالٹا کا ایک باورچی تھا۔ مالٹا والوں سے اہل الجزائر سخت نفرت کرتے تھے اور چڑتے تھے۔ گورنر نے اِسپر اعتراض کیا۔ اور باورچی کو جبراً قونصل کی کوٹھی سے پکڑوا کر قید کردیا۔ اسیطرح ۱۸۳۰ء میں مسٹر (مالٹا کے باورچی کا حشر) فالکن نامی ایک قونصل ایک جرم میں ماخوذ ہوئے اور اُنکی گورنمنٹ سے اخراج

گئے بدون قید خانہ میں بھیجدیے گئے۔ ۱۸۰۸ء میں ولندیزوں (اہل ہالینڈ) کی طرف سے سالانہ خراج میں دیر ہوئی۔ اور اسکی پاداش میں اُنکے قونصل کو محبس کی سیر کرنا پڑی۔ اسپر تمام یورپین قونصل متفق ہوکر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُسکو جبراً قید سے رہا کرنا چاہا۔ اور گو یہ مقصد بالآخر گورنر کی رضامندی سے حاصل ہوگیا۔ مگر قونصل مذکور کی قید کے صدمہ سے اُسکی بی بی مرگئی۔ یہی حشر ایک فرانسیسی قونصل کا ہوا۔

ولندیزوں کے قونصل کی کہانی

سمندر میں لوٹ مار

جسطرح بربر کی حدود میں غیر ملک والوں پر دست تظلم دراز ہوتا تھا۔ اسیطرح حدود سے باہر سمندر میں لُوٹ مار کرنے میں بھی کوتاہی نہ کیجاتی تھی۔ سیکنوں مسافر اور تجار آئے دن گرفتار ہوتے رہتے تھے۔ لیکن جہانتک اُس زمانہ کے سفرناموں سے یا تاجرانہ تعلقات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُنکے مطالعہ سے۔ یا اور اس سے بھی بڑھکر دول یورپ اور اہلِ بربر کے باہمی تجارتی عہدناموں کے دیکھنے سے نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ نہیں کہ ان دست درازیوں میں ہمیشہ انہی کی طرف سے ابتدا ہوتی تھی بلکہ بسا اوقات یورپ والے آپ اپنی غلطی سے لُٹتے تھے اور گرفتار ہوتے تھے۔ مثلاً فرض کرو کہ یورپ کی کسی بحری قوت مثلاً اسپین یا مالٹا سے یا کسی تجارریاست مثلاً وینس وجنیوا سے الجزائر کی لڑائی چھڑ رہی ہے اور ایک فرانسیسی اُنکے کسی جہاز پر نوکر ہے۔ جب یہ جہاز الجزائر والوں کے ہاتھ آئیگا تو وہ فرانسیسی بھی گرفتار ہوگا۔ اور اُسپر بھی وہی تشدد کیا جائیگا جو ایک دشمن پر کرنا لازم ہے

لوٹ مار کا سبب

اکثر جہاز جھنڈے بدلکر بحیرۂ روم سے گذرتے تھے۔ یا اگر اس ملک کے ہوتے جو الجزائر سے برسر جنگ ہوتا تو اُن ملکوں سے پاس (پروانۂ راہداری) خریدکر بحیرۂ روم کا قصد کرتے جو الجزائر کے دوست ہوتے۔ دونوں صورتوں میں جب وہ گرفتار ہو جاتے تو اُنکی بُری گت بنتی اہل بربر اور خاصکر الجزائر والے دوست بنانے میں کچھ ایسے فراخدل نہ تھے اور اُنکا عذر بھی معقول تھا۔ یہ کہ۔ اگر تمام ملکوں اور قوموں سے دوستی کر لیجائے تو اسکے دوسرے معنے یہ ہونگے کہ گویا قزاقی سے دستکش ہو گئے چنانچہ ایک دفعہ گورنر الجزائر نے شاہ سوئیڈن سے بیشبہا نذرانہ لیکر معاہدہ کر لیا کہ سوئیڈن کے تمام جہاز بحر روم سے صحیح سلامت گذر جایا کرینگے۔ اسپر الجزائر کے تمام ملاح اور جہازراں جو قزاق پیشہ تھے متفق ہو کر محلسرا پر چڑھ آئے اور اسکو لوٹنے کی دھمکی دی اور یہ حجت کی کہ اگر یوں ہی دوست بڑھتے رہے تو یورپ کے قزاقوں پر ہمارا کچھ بھی رعب نہ رہیگا۔ ہمارے جہاز بھی لٹ جایا کرینگے اور بسر اوقات کے ذرائع بھی مسدود ہو جائینگے۔ آخر کار دیوان عام میں ایک کمیٹی ہوئی جسمیں بڑے بڑے ملکی اور فوجی افسروں نے اس بات پر بحث کی کہ کس قوم سے دوستی رکھی جائے اور کس سے مخالفت رہے[1]۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دول یورپ میں صرف اُن ایک دو سلطنتوں سے دوستانہ تعلقات قایم رکھنا قرار پایا جو باب عالی کے صلحا میں تھیں ان کے علاوہ اور یورپین جہاز تاجرانہ مقاصد کے لئے جب کبھی بحر روم کا قصد

[1] تاریخ مارگن۔ مقدمہ باب ۵ و ۶۔

کرتے تو اپنے جہازوں پر انہی کے جھنڈے لگا کر اور انہی سے پروانہ راہداری خرید کر چلتے۔ پس اگر اہل الجزائر پر یہ فریب کھلجاتا اور وہ ان دوستدار دشمنوں کو لوٹ کر اور گرفتار کر کے تشدد کرتے تو کچھ ایسا نازیبا اور خلاف محل نہ تھا۔ الجزائر والے کہا کرتے تھے کہ "فلینڈرز کے جہازراں تو بیشک بہت خوش معاملہ اور راستباز ہیں۔ ہمسے جھوٹ نہیں بولتے۔ مگر فرانسیسی اور ہالینڈ والے بڑے پاجی اور مکار ہیں۔ اپنے پاس (پروانہ راہداری) اَور قوموں کے ہاتھ بیچدیتے ہیں جب سے انسے دوستی ہوئی ہے تب سے سویڈن۔ ڈنمارک۔ یا ہمبرگ کے جہاز ہی سمندر سے اُڑ گئے ہیں۔ سب کے پاس ہالینڈ کے پاس ہوتے ہیں۔ اور جھنڈوں کا رنگ بھی اُن ہی کا سا ہوتا ہے جس سے ہم دہوکے میں آجاتے ہیں اور شکار ہاتھ سے نکلجاتا ہے"[۱]

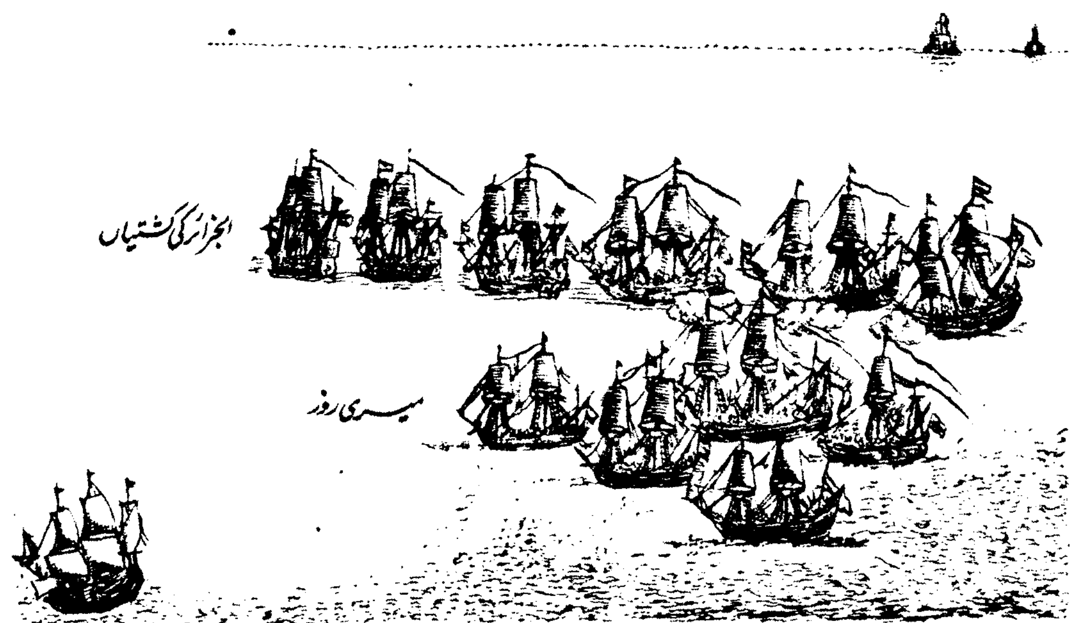
یوں تو سبھی دنیا کی تمام سلطنتیں فرداً فرداً اور مجموعتاً دل سے آرزومند تھیں اور کوشش بھی کرتی تھیں کہ کسی طرح اہل بربر کے قشقۂ اطاعت کو پیشانی سے دھو ڈالیں اور کبھی کبھی عملی ثبوت بھی دیتی تھیں۔ مگر تین قوتوں نے جان توڑ کر کوشش کی۔ یعنے امریکا۔ انگلستان۔ اور فرانس۔ پہلے دو ملکوں کے حملوں سے اہل بربر کی قوت مضمحل ہوئی۔ اور تیسرے کے حملہ سے منتشر ہو کر بالآخر اُسی میں مُدغم ہوگئی۔

امریکہ اور ریاستہائے بربر

شروع میں امریکا نے دول یورپ کے ساتھ بربر کو خراج دینا مرض لاعلاج سمجھکر قبول کر لیا تھا۔ لیکن ۱۷۸۳ء کے بعد انگلستان کے بند غلامی سے آزاد ہو کر ترقی

---

[۱] لین پول صفحہ ۲۷۰ و ۲۷۱۔



الجزائر کی ترکتاز کشتیوں اور یورپ کے میری روز بیڑے کا مقابلہ (سنہ ۱۶) عیسوی۔

شروع کی اور تجارت میں بھی عَلَمِ یکتائی بلند کیا تو الجزائر کے گورنر نے اسکو ایک نیا
شکار سمجھکر دوست بنالیا تھا چنانچہ الجزائر کے ارادتمندوں میں امریکا سب سے زیادہ
عزیز و مبارک تھا۔ اسلئے کہ جہازرانی اور جہازسازی میں انکو جسقدر ملکہ تھا اُسیقدر
بحری حرب کے سامان سے عدم توجہی تھی۔ اور گورنران الجزائر انسے سخت شرائط پر
دوستی کیا کرتے تھے - اور ۱۰ لاکھ ڈالر نقد اور کچھ سامان سالانہ لیتے تھے۔ اخیر پر
ایک مرتبہ اہل امریکا میں جوش پھیلا۔ کیونکہ الجزائر میں دوستی کے باوجود امریکن غلاموں
کی تعداد بہت زیادہ بڑھگئی تھی تو گورنر نے شرطیں فوراً ڈھیلی کردیں اور اس ترکیب سے الجزائر
اہل امریکا کو موقع نہ دیا کہ جنگی بیڑے کی ضرورت کو زیادہ محسوس کریں۔ اُدھر امریکا
والوں نے بھی اسکو غنیمت سمجھا اور ایک بڑی رقم بطور پیشکش سالانہ ادا کرنے
کی شرط پر گورنر سے صلح کرلی۔ یہ دیکھکر بربری اَور ریاستوں نے بھی سر اُٹھایا سب سے
اول یوسف پاشا گورنر طرابلس نے بڑے زور سے دھمکی دی کہ اگر امریکا کی متحدہ
ریاستیں انگلستان - فرانس - اور اسپین کی طرح گرانبہا تحائف و خراج ادا نہ کرینگی
تو اُنکے جہازات اِسقدر بیرحمی سے لُوٹ لیے جائینگے کہ دولتمند اور نامی تاجروں
تک کا دیوالہ نکلجائیگا۔ یوسف نے مراسلہ میں یہ شکوہ بھی کیا کہ جب ٹیونس اور
الجزائر جیسی ہمسر و ہمسایہ ریاستوں کو بیدریغ پیشکش دیے جاتے ہیں تو کیا وجہ ہے
کہ ہم اس سے محروم رہیں۔ کم از کم ایک تجارتی جہاز تو بطور نذرانہ ملنا چاہئے۔ امریکے
پریسیڈنٹ نے اسکے جواب میں مہذب طریقہ سے اطمینان دلایا اور خشک وعدے کئے

اسپر گورنر نے پھر لکھا کہ آپ اپنے قول کو فعل سے ثابت کریں اور اس چاپلوسی کو چھوڑ کر چھ مہینے کے اندر وعدہ کو پورا کریں ورنہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو مناسب و مفید سمجھے کرے۔

ٹیونس کا طریق عمل

اسیطرح گورنر ٹیونس نے بھی مطالبہ کیا اور مراسلہ میں لکھا کہ جب ڈنمارک۔ اسپین سسلی۔ اور سویڈن نے پیشکش دینا بطیب خاطر گوارا کر لیا تو کیا وجہ ہے کہ امریکا ساکت ہے۔

اہل مراکو

اہل مراکو ہر چند کہ بہت ہی کم آزار تھے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ لیکن وہ بھی اس خوان یغما میں شریک ہونے سے نہ چوکے۔

الجزائر

اُدھر سے الجزائر نے پھر سر اٹھایا اور بقایا رقم خراج کا تقاضا کیا۔ سب سے زیادہ ڈانٹ یوسف پاشا نے دی تھی اسلئے افتتاح بھی اُسی کی طرف سے ہوئی چنانچہ جب چھ ماہ بلا جواب گذر گئے تو اُسنے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور امریکن قونصل کی کوٹھی سے جھنڈا اکھاڑ کر پھینکدیا اور ۱۴ ؍ مئی سنہ ۱۸۰۱ء کو اشتہار جنگ دیدیا۔

اِدھر اہلِ امریکا نے بھی قومیت کا نیا نیا سبق پڑھا تھا۔ اُنکے دل جوانی کی اُمنگوں سے لبریز تھے اور حق یہ ہے کہ وہ بیچارے برسوں خراج کی سختیاں سہتے سہتے اُکتا بھی گئے تھے۔ پہلے سے تو انگلستان کے ساتھ خونریز لڑائیاں لڑنے سے اُنھیں فرصت نہ تھی۔ مگر اب کہ وہ اپنے انگریزی بھائیوں کی کمندِ عنایت سے آزاد تھے اور ایک مختصر سا بیڑا جہازات معہ سامانِ حرب بھی تیار ہو گیا تھا۔ اُنھوں نے طرابلس کے اشتہار جنگ کے جواب میں صاف صاف لکھ بھیجا کہ "قومی عزت اور قدرتی حق کی حمایت میں

سلہ لین پول صفحہ ۲۷۰۔

لاکھوں کروڑوں پھینکدینگے لیکن نذرانے کے نام کا ایک حبہ نہ دینگے"۔ باایں‌ہمہ امریکا نے کوئی نمایاں کوشش نہیں کی۔ بلکہ تین حملوں میں سے دو مرتبہ تو سخت ناکامی ہی ہوئی۔ تیسری مرتبہ ۱۸۰۳ء میں بسرکردگی کموڈور پریبل کسیقدر کامیابی ہوئی جسکی مفصل کیفیت حسب ذیل ہے۔

طرابلس پر یلغار

کموڈور کا منشاء تو یہی تھا کہ طرابلس پر چڑھائی کرکے قزاقوں کو ایسا سبق دے کہ وہ آیندہ غارتگری سے باز آجائیں اور اسطرح مغربی دنیا کو جو بوجہ پالیسی یا بزدلی کے ذلتوں پر ذلتیں اٹھائے چلی جاتی تھی "عذاب الیم" سے ایک حد تک نجات ملے مگر آبنائے جبل الطارق میں لنگر انداز ہوکر امیر البحر کا خیال غالباً تھوڑی سی دیر کے لئے بدلگیا۔ قرن وسطی کے بحیرۂ روم کی آب وہوا ہی کچھ اس قسم کی ولولہ انگیز تھی کہ بری آزاد منش مہذب۔ اور حق شناس قوموں کو بھی لوٹ مار کی طرف مائل کردیتی تھی۔

۳۶ توپوں کا فلاڈلفیا نامی ایک کوہ پیکر جنگی جہاز جو ساحل اسپین کی طرف بظاہر اس مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا کہ اگر کوئی طرابلس کی غارتگر کشتی ملے تو اسکو پکڑلائے مگر حقیقت میں اس سے یہ منشا تھا کہ کوئی شکار ہاتھ لگجائے۔ یہ جہاز مراکو کے مشبہ نامی ایک جہاز کو گرفتار کرکے لایا۔ مشبہ کے ساتھ سیریا نامی ایک اور جہاز جو بوسٹن کے ایک دولتمند تاجر کا تھا اور مشبہ والوں کے ہاتھ گرفتار ہوگیا تھا۔ وہ بھی پکڑا آیا۔ مشبہ کے کپتان ابراہیم رئیس سے جواب طلب کیا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ مشبہ دراصل تنجیر کا جہاز تھا۔ اسپر کموڈور نے تنجیر پر حملہ کیا۔ اور گورنر کو ہر طرف سے گھیر کر مجبور کیا

کہ ۱۸۰۱ء کے عہدنامہ کی پابندی کرے جسکی روسے امریکن جہازوں پر ست ... سلامی ممنوع تھی۔ اس حجت کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ کموڈور نے دونوں جہاز بھی اپنے بیڑے میں داخل کرلیئے۔ اور اکتوبر (۱۸۰۳ء) میں چند جہاز بسر کردگی کپتان بیمبرج طرابلس پر حملہ کرنے کے لئے بڑھا ہمنے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ مغربی بحر روم کی خاصیت اور سواحل بربر کے نشیب و فراز سے اجنبی جہازران کبھی واقف نہ ہوسکتے تھے۔ طرابلس والوں کو جب اس چڑھائی کی خبر ہوئی تو اُنھوں نے دھوکا دینے کی غرض سے ایک چھوٹا سا جہاز امریکن امیر البحر کی حد نظر میں مشرق کی جانب ایسے مقام پر بھیجدیا جہاں عُمق کم تھا۔ امریکا والے اس جہاز کو دوسرا شبہ سمجھکر خوشی خوشی فلاڈلفیا سمیت اُسطرف بڑھے۔ اِدھر طرابلس کے جہاز نے فلاڈلفیا کو قریب تر ہونے کا موقع دیکر یکبیک حرکت کی اور نہایت تیزی سے طرابلس کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ فلاڈلفیا نے آتشباری شروع کردی اور تعاقب بھی کرتا رہا یہاں تک کہ شہر طرابلس سامنے دکھلائی دینے لگا۔ ساتھ ہی عُمق کم ہونا شروع ہوا۔ ساحلِ طرابلس کے قریب سمندر میں اکثر پہاڑیاں ہیں انمیں سے ایک میں فلاڈلفیا ٹکراکر رہ گیا۔ اسکے ٹکراتے ہی طرابلس سے آتشبار کشتیاں فی الفور موقع پر پہنچگئیں۔ اُنھوں نے فلاڈلفیا پر کچھ دیر آگ برساکر اُسکو گرفتار کرلیا جب کپتان بیمبرج نے بجز اسکے چارہ نہ دیکھا کہ خود ملازموں سمیت خط غلامی لکھدے اور جہاز کو دشمن کے حوالہ کردے تو اُسنے یہ چالاکی کی کہ جہاز سپرد کرنے کے قبل تمام سامان جنگ اور آذوقہ پانی میں پھینکدیا اور فلاڈلفیا میں جا بجا

سوراخ کر دیے جس سے جہاز مذکور کچھ عرصہ میں وہیں غرقاب ہو گیا۔ لیکن اہل طرابلس نے جنکو جہازرانی میں اہل امریکا سے زیادہ مشق تھی جہاز کو صرف ایک ہفتہ کی کشش و کوشش میں پانی سے نکالکر اور آراستہ کر کے سطح سمندر پر جما دیا۔ فلاڈلفیا کے ہاتھ سے نکلجانے کا پرنیل کو بڑا صدمہ ہوا اسلئے کہ یہ اکیلا کل بیڑے کی دو تہائی قوت تھا۔ پھر بھی اسنے ہمت نہیں ہاری اور ۳۔ فروری ۱۸۰۴ء کو فلاڈلفیا کی جگہہ تین اور جہاز شامل کر کے پھر طرابلس کی طرف بھیجے۔ انمیں ایک تو انٹرپیڈ نامی جہاز تھا جو تھا تو اصل میں فرانسیسی۔ مگر مصر کے قریب انگریزی قزاقوں نے گرفتار کر لیا تھا اور سالانہ خراج میں طرابلس والوں کو دیدیا تھا۔ اور اب امریکا کے کپتان ڈیکیٹر نے بحر روم سے پکڑ کر اپنے بیڑے میں شامل کر لیا تھا۔ اسکے علاوہ ایک سائرین نامی اور چند اَور جہاز تھے۔

امریکن بیڑا چھٹے روز طرابلس کے حوالی میں پہنچا۔ شہر سامنے دکھلائی دیتا تھا مگر طوفان کی شدت اور ہوا سامنے کی تھی اسلئے خلیج میں داخل نہو سکا۔ رات کو اَور زیادہ تیز ہوا چلی یہانتک کہ امریکن بیڑا سنبھلتے سنبھلتے مشرق کو ہولیا اور خلیج سدرہ میں جا پڑا۔ بالآخر ۱۵ تاریخ کی سہ پہر کو کشاں کشاں پھر طرابلس کی حوالی میں داخل ہوئے ہوا ہلکی۔ موسم خوشگوار۔ آسمان کا چہرہ بالکل صاف۔ اور سمندر کی سطح تلاطم امواج سے خالی تھی۔ اسلئے ڈیکیٹر نے قصد کیا کہ رات کو چھاپا مارے۔ حسب قرارداد جہاز سائرین کو دن بھر حد نظر سے باہر رکھا اور اُسکی وضع قطع کو حتی الوسع بدلدیا تاکہ طرابلس والوں کے

کوئی پہچان نہ لے۔ ہوا ہلکی ہونے کے سبب جہاز مذکور دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا رات ہونے سے پہلے بندرگاہ میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اہالیِ جہاز تمام نیچے کے درجہ میں آگئے۔ عرشہ پر صرف ایک دو آدمی اور اسپلرح ڈک (تختہ) پر چند سپاہی مالٹا والوں کا سا لباس پہنکر کھڑے ہوگئے۔ بندرگاہ طرابلس کے قریب پہنچکر ڈیکیٹر کو دور سے فلاڈلفیا دکھائی دیا جسکے مستول پر ہلالی پرچم ہوا میں لہرا رہا تھا۔ یہ قلعہ کی توپوں کی زد کے اندر لنگر انداز تھا اور آس پاس تین کشتی نما جہاز اور قریباً بیس آشنا کشتیاں لنگر انداز تھیں۔

ادھر دمبدم اندھیرا ہوتا جاتا ہے اور اُدھر انٹریپڈ خشکی کے قریب آتا جاتا ہے بندرگاہ پر پہنچکر مغربی راستہ میں کھولتے ہوئے پانی کی طرح تیز و تند موجیں محسوس ہوئیں۔ اسلئے شمالی راستہ سے داخل ہونا مصلحت سمجھا گیا جو سنگلاخ بلندیوں اور بالوریت کے ٹیلوں کے درمیان پیچ و خم کھاتا ہوا شہر کی طرف بڑھتا ہے۔ اب رات کے دس بجے ہیں اور امریکن جہاز جیسے جیسے مشرق کی ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے تھپیڑ کھا کھا کر سطح آب پر ڈگمگاتا ہوا بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے اہالی جہاز کے دل امید و بیم سے اُٹھتے بیٹھتے جاتے ہیں۔ رات نہایت خوشنما۔ چاندکی نورانی چادر سمندر کی بلوریں سطح پر بچھی ہے۔ سامنے ایک طرف قلعہ کے فصیل و بروج سے اور دوسری طرف شہر کے بلند مکانوں سے صدہا چراغ ٹمٹما ٹمٹما کر اپنی شعاعیں سمندر کے انتہاء عمق تک ڈال رہے ہیں۔ اِدھر ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے انٹریپڈ کو لوریاں دیدیکر

سنگلاخ ٹیلوں کے بیچ سے اندر کی جانب آہستہ آہستہ اور بیخبر داخل کر رہے ہیں
ہر طرف خاموشی کا عالم طاری ہے۔ صرف کبھی کبھی پال کے ڈنڈے گرانبار ہو کر
بول اُٹھتے ہیں یا لوہے کی کیلیں بوجھ کی شکایت کر بیٹھتی ہیں۔ یا جہاز کے ستک
پر پانی کی چھوٹی چھوٹی لہریں دمبدم تھپیڑ دیتی ہیں یا جہاز کے سینہ کے نیچے کی چرخیاں
پانی کے زور سے گھوم گھوم کر ایک قسم کی سُریلی آواز پیدا کرتی ہیں۔ اسکے سوا ہر طرف
سناٹا ہے۔ سامنے فلاڈلفیا کے ڈک پر چند آدمی کھڑے ہیں۔ پیچھے قلعہ کی سفید
دیوار کا سلسلہ کھنچا دکھلائی دیتا ہے۔ اور اور پیچھے ہٹکر اُفق پر آسمان کی نیلگوں دیوار
بلند ہے جسکو اس خوشنما تصویر کا پشتہ کہنا چاہیئے۔ جہاز انٹرپیڈ پوری تیز قدمی سے مگر
نامعلوم فلاڈلفیا پر قبضہ کرنے کے لئے برابر بڑھتا آتا ہے۔ چونکہ اسکا مستول طرابلس
کی وضع پر آراستہ کیا گیا ہے۔ اور ناخدا بھی سسلی کا رہنے والا اور طرابلس کے انداز
ناخدائی سے واقف ہے۔ اسلئے کسی کو شبہ نہیں ہوتا۔ امریکا والوں کا منشاء تھا کہ
اسیطرح رفتہ رفتہ اور بے معلوم بڑھکر فلاڈلفیا پر قبضہ کرکے اہلِ طرابلس کا قلع قمع کر ڈالیں
مگر جیسے ہی اُسکے قریب پہنچے فوراً خبر ہوگئی اور اسکے ساتھ "امریکا والے! امریکا والے!"
کا شور بلند ہوا۔ الارم دیتا تھا کہ سامنے قلعہ میں فالن ہو گیا۔ توپچی فلیتے لیکر توپوں
کی طرف بڑھے۔ رات کی خاموشی کا سلسلہ یک بیک منقطع ہو گیا۔ بم کے گولوں کے
چلنے اور پھٹنے سے تمام شہر اور محلسرا میں کھلبلی مچگئی۔ امریکا والوں نے بڑی جراءت
اور اُلوالعزمی سے دُشمن کی آتشباری کا مقابلہ کیا اور فلاڈلفیا کے قریب سے دونوں

جہازوں کو آگے بڑھکر تھام لیا۔ اور تمام اہلِ جہاز کو تہ تیغ کر ڈالا اور پھر فلاڈلفیا کو لیکر پلٹ آئے۔

ادھر ۲ جولائی تک کموڈور پربل مینی جنگی جہازوں کا ایک زورمند بیڑا لیکر طرابلس کے حوالی میں آموجود ہوا اور شہر کو گھیر کر پیام صلح کا انتظار کرنے لگا۔ بڑی قیل و قال کے بعد بالآخر ۳۔ اگست کو اہلِ طرابلس نے صاف جواب دیدیا اور لڑائی چھڑ گئی۔ ۳۔ ستمبر تک محاصرین نے پانچ بڑے حملے کئے جنمیں کموڈور اور اُسکے رفیقوں نے بڑھ بڑھکر دادِ مردانگی دی۔ مگر محصورین کا اس سے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا۔ صرف قلعبندی کو کسیقدر صدمہ پہنچا۔ محاصرہ ۱۸۰۵ء تک برابر جاری رہا اور جب طرابلس کا بال تک بینکا نہوا تو اہلِ امریکا نے اسکو ناقابلِ تسخیر سمجھکر چھوڑ دیا اور دیرنا نامی ایک چھوٹے سے قصبہ پر حملہ کیا۔ اہلِ طرابلس کی ناعاقبت اندیشی اور سوءِ تدبیری سے یہاں کوئی جنگی سامانِ حفاظت نتھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امریکا والے خشکی اور تری دونوں طرف سے چڑھ گئے۔ اہلِ قصبہ نے بھی فوجی قوت کے ساتھ فولادی دیوار بنکر مقابلہ کیا مگر دشمن کی آتشباری کے سامنے کچھ نہ کرسکے اور مغلوب ہوگئے دیرنا پر قبضہ ہونے سے طرابلس میں گویا رخنہ پڑ گیا۔ اخیر بر گورنر کو اس شرط پر صلح کرنا پڑی کہ آیندہ سے امریکا کے جہازات بحر روم سے جنگی دیے بدون گذر جایا کرینگے اہلِ امریکا نے بربری غلاموں کو اور اہلِ طرابلس نے امریکن غلاموں کو ایک ایک کرکے آزاد کر دیا۔ اور کموڈور نے بیڑے سمیت معاودت کی۔

معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ امریکا کو اس نمایاں کامیابی اور سفید عہد نامہ پر زیادہ ناز کرنا نصیب نہوا - چنانچہ اگلے ہی برس طرابلس نے پھر خراج طلب کیا اور امریکا نے طوعاً نہیں تو کرہاً ادا کیا - ایک انگریزی مؤرخ اسکی تعداد ۱۰ ہزار ڈالر لکھتا ہے[1] - چونکہ اسی زمانہ میں انگلستان اور امریکا کی مشہور لڑائی ختم ہی ہوئی تھی اور ابھی تک صلح متشکل بھی نہیں ہوئی تھی اسلئے امریکا والوں نے فی الحال اسطرف زیادہ توجہ نکی - مگر ۱۸۱۵ء میں عہد نامہ گینٹ کی تحریر و تکمیل کے بعد جب امریکا مسٹر جان بل[2] کے "ہالاکشیدند" سے آزاد ہو گیا تو پھر اہلِ بربر کی طرف متوجہ ہوا - جنگی بیڑے کے بجائے اس مرتبہ ایک معزز ڈیپوٹیشن گورنر الجزائر کی خدمت میں بھیجا گیا جسمیں مسٹر ولیم شیلز قونصل - کپتان بیمبرج - اور کپتان ڈیکٹیر شریک تھے - انھوں نے گورنر کو آشتی صلح پر راضی کر لیا[1] اور ۳۰ جون ۱۸۱۵ء کو ایک عہد نامہ لکھا لیا جسکی رو سے یہ قرار پایا کہ اہلِ امریکا کوئی محصول ادا نہ کریں - فریقین ایک دوسرے کے غلام آزاد اور لوٹ کا مال واپس کر دیں اور آئندہ ہمیشہ دوست رہیں - لیکن ریاستہائے بربر سے پوری مصالحت اُسیوقت ہوئی جبکہ اہلِ امریکا نے اپنے ساحل کے شہروں میں بردہ فروشی کے بازار بند کیے اور غارتگروں کو سخت سزائیں دیں -

امریکا کا ڈیپوٹیشن

امریکا اور ریاستہائے بربر سے صلح

انگلستان اور باب عالی کی دوستی سب سے اول ۱۵۸۲ء میں ہوئی اور تقریباً سوا دو سو

---

۱ لین پول صفحہ ۲۹۰ -

۲ جان بل سے انگلستان مراد ہے -

اسکاٹلینڈ کے دو قیدی امیرزادے

برس تک یہ تعلقات مسلسل قایم رہے۔ اُسوقت انگلستان کے اعلیٰ خاندانوں کے لئے بھی بحر روم کا سفر خطرناک ہونے سے خالی نتھا۔ اسکاٹلینڈ کے دو امیرزادے مارٹن اور لیفنٹ الجزائر میں برسوں قید رہے۔ سرطامس رو جب انگریزی سفیر مقرر ہوکر قسطنطنیہ گئے تو انھوں نے اپنی گورنمنٹ پر متواتر ظاہر کیا کہ ”اگر الجزائر کی غارتگری مسدود نہ کیگئی تو دول یورپ کی بری سے بڑی فوجی قوت کے دھوئیں اُڑجائینگے اور ساحل بربر ایک ایسا خوفناک مقام بنجائیگا کہ وہاں سے کبھی کوئی مسافر پھر کر نہ آئیگا

سرطامس رو کی رپورٹ

سرطامس نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی لکھا کہ آخری غارتگرانہ حملوں میں ۴۹۔ انگریزی جہاز پکڑے گئے ہیں۔ اور وہ وقت قریب ہے کہ الجزائر کے نخاس میں انگلستان کے سوا اور کسی ملک کے غلام دکھلائی نہ دینگے۔ اسلئے کہ بربر کے لٹیرے بڑھ بڑھکر کہتے ہیں کہ اسپین کی طرح ہم انگلستان کے اندرونی مقامات میں گھسکر انگریزوں کو سوتے سے پکڑلائینگے اور غلام بناکر بیچڈالینگے“۔ چنانچہ خاص حد تک انھوں نے اس وعدہ کو پورا بھی کیا۔

بربری غارتگروں کی انگلستان پر ترکتازیاں

یعنے اس رپورٹ کے چندہی برس بعد یہ سنا گیا کہ چند بحری قزاق علاقہ صوبہ کارک کے شہر بالٹیمور میں رات کے وقت گھس آئے اور اُسکو تاخت تاراج کرڈالا۔ اور یہ تو اُس زمانہ میں ایک نہایت معمولی بات تھی کہ ہارٹلینڈ[۵۲] اور پلائیموتھ[۵۳] کے کسی اونچے مقام

---

۵۱ آئرلینڈ کا جنوبی صوبہ اور مشہور بندرگاہ۔
۵۲ ہارٹلینڈ انگلستان کے جنوب میں صوبۂ سومرسٹ کا ایک شہر جو سمندر میں نکلے ہوئے گوشہ پر واقع ہے۔
۵۳ پلائیموتھ انگلستان کے صوبۂ ڈیون کی مشہور بندرگاہ۔

پر کھڑے ہو کر جب چاہتے بربری قزاقوں کی کشتیوں کو سامنے سمندر میں سانپ کی
طرح لہراتے دیکھ لیتے - اسیطرح برسٹل[لہ] کے سوداگر جو گویا تجارتی دنیا کے شہزادے تھے
قزاقوں کو سامنے آتا دیکھکر اپنے تجارتی جہازوں کو بلا تامل غرقاب کر ڈالتے تھے کہ
پادری ڈیویریو کی گرفتاری
مبادا وہ لوگ حملہ کریں اور مال کے ساتھ جان بھی جائے ایک مرتبہ ریورینڈ ڈیویریو نامی
ایک مشہور پادری سے صرف اتنا قصور ہوا کہ کارک سے برسٹل کو پانی کے راستہ
جاتے تھے یوگیل کے مقام پر پکڑے گئے اور ایک پلک جھپکنے میں سرزمین
انگلستان سے الجزائر پہنچگئے -

حالت روز بروز بدتر ہوتی جاتی تھی ۱۶۲۲ء کے بعد تین چار برس میں الجزائر
چار سو انگریزی جہازوں کی گرفتاری
والوں نے چار سو انگریزی جہاز گرفتار کیے جس سے تجارتی طبقہ میں ایک غلغلہ پڑ گیا
اور دیوالیوں کی فریاد سے پارلیمنٹ کے کان بہرے ہونے لگے اِدھر مسٹر فریزل
انگریزی قونصل متعینہ الجزائر نے مسلسل درخواستیں بھیجکر برٹش گورنمنٹ کو اسطرف
توجہ دلائی - الجزائر کے انگریزی غلاموں نے درخواستیں بھیجیں مگر بیس برس تک کچھ
شنوائی نہیں ہوئی - بیچارے سوداگر برسوں کی محنت کے بعد مال و دولت کما کر گھر
لا رہے ہیں اور راستہ میں الجزائر کے قزاق آن پڑے اور کپڑے تک اُتار کر لیگئے
تین ہزار انگریز غلام
سترھویں صدی کے چوتھے عشرہ کی مردم شماری کے بموجب تین ہزار انگریز الجزائر
میں حلقہ بگوش تھے - اس عرصہ میں گورنمنٹ نے کبھی کبھی ایک خفیف سی رقم بطور فدیہ

لہ صوبہ گلوسسٹر کا ایک شہر جو تجارت کی بڑی منڈی ہے -

بھیجکر غلاموں کو آزاد بھی کرایا چنانچہ ایک مرتبہ مجلس امراء نے تین ہزار پونڈ چندہ کرکے دیا تھا۔ اسیطرح سترھویں صدی کے رُبع اول میں دو سو چالیس انگریزوں کو ۱۲ سو پونڈ فدیہ دیکر آزاد کرایا۔ ایڈنبرا کی ایک لیڈی جسکا نام ایلس ہینز تھا ۴۲سو فرانک دیکر آزاد ہوئی۔ سیرا رلپے نامی ایک اور لیڈی جو لندن کی رہنے والی تھی ۵ سو دیکر۔ اور ڈنڈی کی دو اور عورتیں دو سو اور ۱۳۹۰ دیکر آزاد ہوئیں۔ مردوں سے عموماً ۵ سو فرانک سے زیادہ نہ لئے جاتے تھے۔ اسکے علاوہ اکثر یورپین غلام موقع پاکر بھاگ بھی جاتے تھے۔ جیسا کہ ۱۶۳۹ء میں چار انگریز لڑکے اور قریباً ۷۰ اور یورپین جنمیں بکثرت مجورکا کے رہنے والے تھے بھاگ گئے تھے۔ لیکن بھاگ کر یا فدیہ دیکر جتنے آزاد ہوتے تھے اُتنے ہی پھر گرفتار ہوجاتے تھے۔ غرضکہ سلسلہ بندھا رہتا تھا۔ اسمیں صرف اہلِ بربر ہی کا قصور نہ تھا بلکہ یورپ والوں کا بھی تھا۔ کیونکہ یہ لوگ ایکطرف تو معاوضہ کی رقمیں طے کرتے اور آیندہ کے لئے عہدنامے لکھتے۔ اور دوسری طرف حملے بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۶۵۵ء میں جب انگریزی امیر البحر بلیک ٹیونس سے حسب دلخواہ شرائط صلح طے نہ کرسکا تو ۳۔ اپریل کو پورٹو فارنیا (بندرگاہ فرینہ) میں بزورِ شمشیر گھُسگیا۔ اور شاہی بیڑے کو جسمیں ۹ جہاز تھے تباہ کرکے الجزائر آیا اور پاشا کو مجبور کیا کہ تھوڑا سا فدیہ لیکر تمام مسیحی غلام آزاد کردے۔ کچھ دنوں بعد ارل آف انچیکوئن جو سخت خطرناک اور جنگجو جرنیل تھا اور اُسکا بیٹا لارڈ اوبرائن دونوں الجزائر

انگریزی لیڈیوں کی گرفتاری اور رہائی۔

انگریز غلاموں کی فراری

انگریزی امیر البحر کا بندرگاہ فرنیہ پر حملہ

ارل آف انچیکوئن اور لارڈ اوبرائن کی گرفتاری

---

۵۱ دیکھو سر آبایل پلے فئیر کی "مسیحی دنیا پر عذاب الیم" صفحہ ۴۴۔

پر حملہ کرنے بھیجے گئے گرفتار ہوگئے اور سات آٹھ ماہ قید رہ کر ۶ سو کرون (ایک کرون پندرہ روپیہ کا) کے بدلے آزاد ہوئے۔

جو جہاز بھیس بدلکر یا صلحائے بربر سے پاس (پروانہ راہداری) خرید کر بحر روم سے گذرتے تھے انہیں اکثر کے ملاح انگریز ہوتے تھے۔ اور چونکہ اُس زمانہ کے بحری سفر کے قواعد کے بموجب یہ ایک جُرم تھا۔ لہذا اہالی جہاز کے ساتھ وہ بھی پکڑ کر غلام بنا لئے جاتے تھے۔ اِس طریقہ سے انگریزی غلاموں کی الجزائر میں اس درجہ کثرت ہوئی کہ ہر چند کہ ۱۶۹۴ء میں انگریزی قونصل کی رپورٹ[1] کے مطابق کوئی انگریزی غلام آزاد ہونے سے نہیں رہا تھا۔ لیکن جب کچھ دنوں بعد مسٹر بیٹش نامی ایک مستطیع اور فیاض منش انگریز نے ۲۱ ہزار پونڈ سے ایک سرمایہ غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے قائم کیا اور یہ خبر رفتہ رفتہ بربر کے بڑے بڑے شہروں میں پہنچی تو وہاں سے صدہا انگریزوں نے درخواستوں کے ذریعہ سے استمداد کی۔

انگلستان کے نجات دہندہ قافلے

انگلستان سے آئے دن جہازوں کے چھوٹے بڑے بیڑے بھیجے جاتے ہمدرد اور دلسوز نجات دہندہ قافلہ کی شکل میں ساحل بربر پر نازل ہوکر گورنران الجزائر و ٹیونس سے حجت کرتے تھے۔ ڈرلاتے اور دھمکاتے تھے کہ بردہ فروشی بند کرو۔ غلاموں کی گیر و دار موقوف کرو۔ اور بحر روم سے گذرنے والے انگریزی جہازوں کی تلاشی نہ لیا کرو۔ مگر چونکہ اقوام یورپ خود ان شرائط کی پابندی نہ کرتی تھیں اور

[1] لین پول صفحہ ۲۷۰ و ۲۷۱۔

یورپین جہازوں کا فریب

جہازوں کے جھنڈے بدلکر بحر روم سے گذرنا ایک عام رسم تھی اسلئے اہل الجزائر یا ٹیونس مجاز تھے کہ ہر جہاز کی تلاشی لیکر مخالف ممالک کے تاجروں کو گرفتار کرلیں اور انکا اسباب لوٹ لیں۔

سر رابرٹ مینسل کا حملہ
چالیس انگریزی جہازوں کی گرفتاری۔

سنہ ۱۶۲۰ء میں سر رابرٹ مینسل ۱۸ جنگی جہاز جنمیں ۵ سو بندوقچی اور ۲۶ سو جوان تھے لیکر الجزائر والوں کی گوشمالی کے لئے آئے مگر خود سبق لیکر واپس گئے۔ انکے پیٹھ موڑتے ہی قزاقوں نے ۴۰ انگریزی جہاز گرفتار کئے۔ پھر سر طامس رو بیڑا اُٹھاکر آئے۔ انھوں نے ایک عہدنامہ بھی تحریر کرایا لیکن بالآخر وہ ایک سادہ کاغذ ثابت ہوا جنرل بلیک اور لارڈ سینڈوچ نے ایک دوسرے کے بعد الجزائر پر چڑھائی

جنرل بلیک۔ لارڈ سینڈوچ اور سر طامس ایلن کے ناکام حملے

کرکے گولہ باری کی مگر کچھ نہوا۔ سر طامس ایلن ایک مضبوط جنگی بیڑا لیکر چار مرتبہ خلیج الجزائر میں داخل ہوئے اور چاروں مرتبہ ناکام واپس آئے۔ انکے آنے کی خبر سُنکر علی پاشا نے اپنے سرداروں سے کہا تھا کہ "کیا یہ لوگ عقل سے خارج ہیں یا نشہ میں ہیں۔ کچھ اسطرح

ان حملوں کی نسبت گورنر کا خیال۔

باتیں کرتے ہیں کہ گویا ہمکو مجبور ہی کر ڈالینگے اور اپنے ملک کے غلاموں کو فدیہ دیے بدون چھڑاکر لیجائینگے۔ انسے کہدو کہ اپنا راستہ لیں[1]"۔ اس پچاس برس کے عرصہ میں صرف ایک معتد بہ کامیابی ہوئی۔ یعنی سر ای اسپرگ نے ایک جنگی بیڑے سے

سر اسپرگ کا حملہ اور بربری بیڑے کی تباہی

الجزائر پر حملہ کیا اور شاہی بیڑے کو بوجیہ کے قریب بالکل تباہ کر ڈالا۔ اس سے اتنا ہوا

آغا کا قتل

کہ شاہی فوج کے سرداروں نے غصہ میں اپنے آغا کو قتل کر ڈالا اور اُسکا سر گورنر کے

۱؎ پلے فیئر کی "مسیحی دنیا پر عذاب الیم" صفحہ ۹۴۔

سامنے لیجاکر درخواست کی کہ انگریزوں سے صلح کرلیجائے۔ چنانچہ صلح کیگئی مگر صرف پانچ سال بعد سر جان نار بارو کو پھر الجزائر پر فوجکشی کرنے کی ضرورت ہوئی۔ یہ جسقدر جوش میں بھر کر گئے تھے اُسیقدر تحمل ۱۰ ہزار پونڈ بطور فدیہ غلامان دیکر چلے آئے

سرجان نار بارو کا حملہ

۱۶۸۲ء میں امیرالبحر ہربرٹ نے جو بعد کو لارڈ ٹارنگٹن سے مخاطب ہوئے کئی مرتبہ الجزائر پر چڑھائی کی لیکن خراج معاف نہ کرا سکے۔ اس سے تیسرے سال سر ڈبلیو سوم نے بڑی مشکل سے لڑجھگڑ کر ٹیکس کی طرح یہ حق وصول کیا کہ انگلستان کے شاہی علمبردار کو اہل الجزائر ۲۱ توپ کی سلامی دیا کریں۔ ۱۷۴۹ء میں امیرالبحر کیپل نے اور ۱۷۶۳ء میں انگریزی قونصل جیمس بروس نے انگلستان اور الجزائر کے دوستانہ تعلقات کو مستحکم کرنے کی کوشش کی لیکن نمایاں کامیابی نہوئی۔ بالآخر انگلستان۔ اسپین۔ پرتگال۔ نیپلز۔ بالٹا۔ نے متفق ہوکر سخت تر تدابیر عمل میں لانے کا ارادہ کیا اور ۱۷۸۴ء میں ایک زورمند بیڑا اکٹھا کرکے غارتگران الجزائر کی گوشمالی کے لئے بھیجا مگر سخت ناکامی ہوئی جسکی وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ جہاز چھوٹے تھے اور فوج کارآزما نہ تھی۔ مگر سچ یہ ہے کہ باربروسہ اور اُسکے اولوالعزم جانشینوں نے اپنی مردانگی اور دلیری کا وہ سکہ جمایا تھا کہ دول یورپ کو فرداً فرداً اور مجموعتاً اُنیسویں صدی سے پہلے کبھی یہ بات نصیب نہوئی کہ اہل بربر کی اطاعت کا قشقہ اپنی پیشانی سے دھوڈالیں۔

امیرالبحر ہربرٹ کا حملہ

انگلستان کے علمبردار کی سلامی

انگریزی سفیروں کی کوشش صلح

دول یورپ کا مشترک حملہ اور ناکامی

ابتداء اُنیسویں صدی میں لارڈ نیلسن بحر روم میں موجود تھا لیکن بربری غارتگروں کے منہ آنے کی اُسے بھی جرأت نہوئی۔ اسیطرح کالنگوڈ بھی بجز اسکے کچھ

گورنر الجزائر کا ہدیہ نہ کرسکا کہ ایک معزز سولین کے ہاتھ ایک قیمتی گھڑی بطور نذرانہ گورنر الجزائر کی خدمت میں بھیجکر اظہار ارادت کرے۔ حتی کہ ۱۸۱۲ء میں جب اہلِ پرتگال اور گورنر الجزائر میں کچھ اَن بن ہوئی اور پرتگیز تاجروں کا دیوالہ نکلنے لگا تو مسٹر اے کورٹ نے جو بعد کو لارڈ ہیٹسبری سے مخاطب ہوئے بیچ میں پڑکر گورنر کو بمنت اس بات پر راضی کیا کہ دس لاکھ ڈالر فدیہ لیکر تمام پرتگیز غلاموں کو آزاد کر دے اور آیندہ کیلئے پرتگال کے جہازات اور مضافات پر دست درازی نہ کرے۔ *پرتگال کا خراج* اور شاہ پرتگال اسکے عوض میں ۲۴ ہزار پونڈ سالانہ خراج ادا کیا کرے۔ خلاصہ یہ کہ اُنیسویں صدی کا عشرۂ اول بھی اسی کشمکش میں ختم ہو گیا مگر انگلستان کو اہل بربر کی طرف سے جیسا چاہئے اطمینان نہوا۔ بالآخر امریکا کی کامیابی سے انگلستان کا حوصلہ بڑھا اور ۱۸۱۶ء میں لارڈ ایکس موتھ کو سفیر بنا کر بھیجا اور یہ ہدایت کی کہ معاملہ کو جسطرح ممکن ہو یکسو کرے۔

ہمارے نزدیک اسمیں کسیقدر قصور انگلستان کا بھی تھا۔ یہ کہ اپنے ساتھ دوسروں سے بھی اہلِ بربر کا رشتۂ مؤدت قایم کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ اور چونکہ مؤدت کے دوسرے معنی تھے بحرِ روم سے ہر قسم کے جہازوں کو محصول لئے بدون گذرنے دینا اسلئے اہلِ بربر اسکو بطیبِ خاطر منظور نہ کرتے تھے۔ چنانچہ اب جو لارڈ ایکس موتھ بھیجا گیا اُسکا بھی یہی مقصد تھا کہ جزائر آئی اونین انگلستان کے ہم پلہ سمجھا جایا کرے۔ گورنر الجزائر نے کچھ خفیف رد و قدح کے بعد منظور کرلیا کہ اہلِ نیپلز کم محصول ادا کیا کریں۔ *نیپلز اور سارڈینیا کے محصولات میں تخفیف* اسیطرح اہلِ سارڈینیا کا محصول بھی گھٹا دیا اور جزائر آئی اونین کو تاجرانہ حقوق

میں انگلستان کے برابر تسلیم کرلیا۔ پھر لارڈ موصوف نے ٹیونس اور طرابلس میں جاکر
وہاں کے گورنروں سے مسیحی بردہ فروشی کو قطعاً مسدود کردینے کا وعدہ لیا۔ ان میں
ٹیونس کے حالات کی تفصیل خالی از دلچسپی نہوگی۔ ٹیونس کے لٹیروں نے سارڈینیا
والوں کی چند جہازات لوٹ لئے تھے۔ لارڈ ایکس موتھ کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے
جوش ہمدردی میں آکر اہل ٹیونس کی گوشمالی کا قصد کیا اور ۱۲ اپریل ۱۸۱۶ء کو حلق الوید
میں لنگر انداز ہوئے۔ اور گورنر کو صاف کہلا بھیجا کہ یا تو مسیحی بردہ فروشی قطعاً مسدود
کرو ورنہ گولہ باری کرکے ہم شہر کو تباہ کردینگے۔ اور مزہ یہ کہ حسن اتفاق سے اسی
زمانہ میں شہزادی کیرولائن[1] محمود پاشا ٹیونس کی مہمانی سے مسرور الوقت تھی۔ اب
ادھر تو انگریزی افسر نے تننا شروع کیا اور ادھر اہل ٹیونس کشیدہ ہوئے معاملہ دن
بہ دن خطرناک صورت اختیار کرنے لگا۔ شہزادی بیچ میں پڑی لیکن پھر بھی مصالحت
نہوئی۔ لارڈ ایکس موتھ نے شہزادی کی عزت اور جان کا ذرا بھی پاس نہ کیا اور اسکو
لٹیروں کے بادشاہ کے رحم پر چھوڑ دیا۔ نوبت بانجا رسید کہ شہزادی نے ہر طرف سے
مایوس ہوکر اپنا اسباب حلق الوید کی طرف چلتا کیا۔ تمام انگریزی تاجر جو ٹیونس میں
مقیم تھے اثاثہ سمیت جہازوں میں سوار ہوکر چلدیے۔ ادھر لارڈ ایکس موتھ نے
جہازوں کو ترتیب دیکر بڑھنے کا سگنل دیا۔ ادھر محمود پاشا نے اپنا بیڑا استقبال کے

ٹیونس کو دھمکی

شہزادی کیرولائن کی مہمانی

کیرولائن کی بیچارگی

[1] پرنس آف ویلز یعنے ولیعہد انگلستان جو بعد کو جارج چہارم کے نام سے تخت نشین ہوا۔ کیرولائن اسکی بی بی تھی۔

لئے بڑھایا۔ اہل ٹیونس میں سخت جوش پھیلگیا۔ کیرولائن بہت پریشان تھی کہ اب کوئی دم میں پاشا کے سپاہی آتے ہیں اور ولیعہد انگلستان کی بی بی کو پابجولاں کر کے لیجاتے ہیں۔ شہزادی کو لارڈ ایکس موتھ کا اِسطرح مخل ہونا ویسے بھی سخت ناگوار گذرا تھا۔ مسلمانوں کی فیاضانہ مہمانی۔ پاشا کے چھ گھوڑوں کی گاڑی میں صبح شام سوار ہونا جسکے ارد گرد ساٹھ مملوک زرق برق وردیاں پہنکر اور خوبصورت گھوڑوں پر سوار ہو کر حلقہ باندھکر چلتے تھے۔ اور کارتھج کے کھنڈرات کی سیر کرنا ٹیونس کے سرسبز و شاداب حاشیہ کی سیر سے مسرور الوقت ہونا۔ وغیرہ۔ اس قسم کی تفریح نہ تھی جسکو شہزادی کیرولائن جلد بھول جاتی۔ مگر افسوس لارڈ ایکس موتھ کو اسپر ذرا بھی رحم نہ آیا۔ اور عین اُسوقت جبکہ شہزادی گرفتاری اور بیعزتی کے خوف سے کانپ رہی تھی محمود پاشا ہی کو اُسپر رحم آیا اور اُسنے کہلا بھیجا کہ آپ ذرہ برابر فکر نہ کریں۔ مجھپر جاہے جو کچھ گذرے۔ اسلام کے قانون مہمان نوازی کی خلاف ورزی کرنا میرا شعار نہیںؐ۔ بااینہمہ لڑائی کی نوبت نہیں پہنچی۔ ایک معمولی عہدنامہ سے فیصلہ ہوگیا اور یہ قرار پایا کہ حدود ٹیونس میں غلام نہ بکا کرینگے بشرطیکہ انگلستان بھی اپنے مضافات میں بردہ فروشی مسدود کردےؐ۔

کیرولائن کی ملاقات

کیرولائن سے گورنر کا غایت رحیمانہ برتاؤ

انگلستان اور الجزائر کی مصالحت

یہاں سے لارڈ ایکس موتھ پھر الجزائر آئے تاکہ یہاں کے گورنر سے بھی اسیطرح کا ایک عہدنامہ لکھائے چنانچہ دو انگریزی افسر اِس مقصد کے لئے

ؐ تاریخ براڈلے صفحہ ۸۵ و ۸۶ ؐ لین پول صفحہ ۲۹۵۔

سفیروں کی توہین اور بےعزتی۔

بھیجے بھی گئے مگر اہل الجزائر نے سفیروں کی بہت بُری گت بنائی۔ سر بازار خاک اڑایا انکو گھوڑوں سے کھینچکر نیچے گرادیا۔ اور مشکیں کسکے باندھ دیں۔ شہر میں تشہیر کیا پھر مسٹر مکڈانل انگریزی قونصل کو قید کردیا۔ اور انگریزی رزیڈنسی کو لُوٹ لیا۔ اسی اثناء میں الجزائر کی الطالین رعایا میں بغاوت پھیلگئی۔ گورنر کو فوجی قوت سے مدد لینا پڑی جسمیں بہت سے باغی قتل ہوئے۔ انگریزی جرنیل نے دست اندازی کے لئے کافی حجت دیکھکر اس مرتبہ سخت تر تدابیر عمل میں لانا ضروری سمجھا اور ایک بڑا

اہل ہالنڈ اور انگریزوں کا حملہ

بیڑا اکٹھا کیا جسمیں ۲۵ جنگی جہاز تھے۔ اُدھر سے اہل ہالنڈ نے اپنا جنگی بیڑا بسرکردگی امیر البحر برن بھیجا۔ یہ دونوں ۲۷ اگست ۱۸۱۶ء کو الجزائر میں داخل ہوئے۔ لارڈ اکس متھ نے لڑائی شروع کرنے سے پہلے ایک جہاز کپتان ڈاشوڈ کے ساتھ مسٹر مکڈانل کے خاندان کو لینے کے لئے بھیجا۔ کپتان نے رزیڈنسی کے سامنے ٹھیرکر اور رات کے وقت ایک چھوٹی سی کشتی لیکر قونصل کے بی بی بچوں کو لانے کا قصد کیا۔ مکڈانل کی بی بی اور ایک بیٹی تو بخیریت جہاز پر پہنچا دیگئیں۔ لیکن ایک شیرخوار بچہ اور شاگرد پیشہ چھوڑ گئے تھے جب اُنکو لانے لگا تو اتفاق سے بچہ رو پڑا۔ سنتریوں نے الارم دیدیا

گورنر کی انسانیت۔

اور یہ تمام قافلہ گورنر کے روبرو پیش ہوا۔ اور ہمکو یہ دیکھکر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ اُن لٹیروں کے سردار نے جو نہایت قسی القلب اور بیرحم بیان کئے جاتے ہیں ان سب کو چھوڑ دیا اور بچہ کو ایک شاہی کشتی میں بحفاظت تمام اُسکی ماں کے پاس بھجوادیا۔

نمبر ۵ ملٹے فتر کی "مسیحی دنیا پر عذاب الیم"، صفحہ ۵۰ و ۵۲ بین پول صفحہ ۲۹۰۔

مگر مسٹر مکڈانل بدستور مقید رہے۔

۲۸ کی صبح کو بڑے سویرے انگریزی علمبردار خلیج کے اندر داخل ہو کر بندر گاہ کے عین دروازہ میں لنگر انداز ہوا متحدہ بیڑے کے باقی جہاز اپنے اپنے قرینہ سے پیچھے جمائے گئے۔ اِدھر سے شاہی جنگی بیڑا بھی ساحل کے سامنے جمایا گیا اور پیچھے بندر گاہ کے تمام بالائی حصّوں پر پشتوں اور سنگین سدوں پر۔ اور آور پیچھے ہٹکر قلعہ کی فصیل و بروج پر جا بجا اُن توپوں کے دہانے سُوجھتے تھے جو شاید ابھی کچھ دن ہوئے کہ یورپ والوں نے سالانہ خراج میں نذر کی تھیں۔ الجزائر میں عام طور پر جوش پھیلا تھا۔ گورنر رات بھر لڑائی کے اہتمام میں مصروف رہا۔ ٹھیک ۱۱ بجے ساحل سے ایک توپ سر ہوئی جو انگریزی علمبردار کے بالمقابل تھی۔ اور اسکے ساتھ ہی دونوں طرف سے آگ برسنے لگی۔ اور رات کے ۱۰ بجے تک لگاتار برستی رہی۔

جنگ کا خوفناک سین

گولے توپوں سے نکل نکل کر رات کے دامن تیرگی کو دمبدم مُنقطع کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آج تمام ساحل پر جا بجا آتشیں ناگنیں قابض ہیں جنکے ہر سانس سے شرارے جھڑ رہے ہیں۔ بم کے گولے ہر طرف سے ہوا میں بلند ہو کر اور ایک ذرا چمک کر پھٹتے تھے تو گمان ہوتا تھا کہ آسمان سے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے ہیں۔ اِدھر محاصرین کی توپوں کی شدت آتشباری سے ہر جہاز پر کوہ آتش فشاں کا دھوکا ہوتا تھا۔ ۱۱ بجے کے قریب الجزائر کے جہازوں میں آگ لگ گئی اور پھر گُدام اسٹیشن۔ تمام بندر گاہ اور ساحل پر ایک خوفناک آتشیں سین پیش نظر ہو گیا۔ ابھی تک

ارضی آفات تھے آسمان کے تیور نہ بدلے تھے مگر اب اُسکے چہرہ پر بھی کدورت آنا شروع
ہوئی۔ سیاہ بادل فوجوں کی طرح حرکت کرنے لگے۔ بجلی کی چمک اور گرج مینہ اور آندھی کی — قدرتی حوادث
شدت سے بحر و بر میں اسقدر تہلکہ مچا کہ گویا وہ قدرتی طاقتیں جو ۱۸۱۵ء میں اہل الجزائر
کی طرف سے لڑی تھیں آج انکے خلاف ہیں۔ ہوا کے تھپیڑ اور پانی کے چھینٹوں سے
آگ اور زیادہ بھڑک اُٹھی۔ انگریزی توپخانہ نے اسی حالت میں پھر اپنا کام شروع کیا
اور اگرچہ ۲ بجے کے قریب الجزائر کی توپیں بالکل مدھم پڑ گئیں اور لڑائی بھی ختم ہوگئی لیکن — الجزائر کی ہزیمت
متحدہ بیڑے کو سخت صدمہ پہنچا۔ خاصکر امیرگ بنل نامی انگریزی جہاز اور ڈچ بیڑے کے
عقب کا ایک جہاز بالکل تباہ ہوگیا ایک انگریزی وقائع نگار[1] لکھتا ہے کہ اس رات کو انگریزی — یورپین بیڑوں کا نقصان
بیڑے نے ۱۱۸ ٹن باروت۔ ۵۰ ہزار گولیاں اور ایک ہزار گولے خرچ کئے تھے۔ ۱۱سو
آدمی کام آئے۔ امیر البحر ایکس موتھ سخت زخمی ہوا۔ اور نتیجہ بجز اسکے کچھ نہوا کہ اُسی قدیم
عادت کے بموجب حملہ آوروں نے چند شرائط کے ساتھ صلح پیش کی اور اُنھوں نے — صلح اور شرائط عہدنامہ
منظور کرلی۔ یہ کہ آئندہ سے اسیرانِ جنگ بدل لئے جایا کریں غلام نہ بنائے جائیں
الجزائر میں جو ۱۶۴۲ یورپین غلام ہیں وہ فوراً آزاد کردیے جائیں امسال جو کچھ خراج
اٹلی کے مضافات سے وصول کیا ہے وہ بجنسہ واپس کریں۔ آیندہ کے لئے اپنا
چال چلن درست رکھیں۔ اور انگریزی قونصل مسٹر مکڈانل کو فی الفور قید سے رہا کرکے — انگریزی سفیر کی رہائی
حتی الوسع اسکی تلافی مافات کریں۔ گورنر الجزائر نے نہایت خوشی سے اِن سب شرائط

[1] پلے فیئر کی "مسیحی دنیا پر عذاب الیم" صفحہ ۲۶۹ تا ۲۷۰۔

کو قلمبند کرا کر عہد نامہ پر دستخط کر دیے مگر باینہمہ جو پہلے عہد ناموں کا حشر ہوا تھا وہی اسکا ہوا۔ چنانچہ ۶ برس بعد سنہ ۱۸۲۴ء میں جب سر ہیری نیل سفیر بنکر الجزائر بھیجے گئے تو "ہموں آتش در کاسہ" کا مضمون تھا۔ اور سنہ ۱۸۲۷ء میں ڈنمارک کو ۲۵ توپوں کی نذر دینا پڑی +

بارھواں باب

فرانسیسیوں کا حملہ۔ شیر دل عبد القادر کی خونریز کشمکش۔ الجزائر کا الحاق۔ ٹیونس میں فرانسیسیوں کی مداخلت بیجا۔ محمد صادق پاشا کا عہد نامۂ قصر السعید اور خاتمہ

امریکا اور انگلستان کے مسلسل حملوں سے الجزائر کی قوت گو مضمحل ہوگئی لیکن غارتگرانہ جذبات ہنوز اُسی شد و مد پر تھے چنانچہ پچھلے محاصرہ سے صرف تین برس کے عرصہ میں شہر اور بندرگاہ الجزائر اسکی سدیں اور دمدمے۔ پہلے سے دوچند مستحکم ہوگئے۔ شکاری کشتیاں بحیرۂ روم میں اُسیطرح بیباکانہ دورے کرنے لگیں اور ساحل کے قریب سے صحیح سلامت گذر جانے کے لئے وہی شرطیں پیش ہونے لگیں۔ باایںہمہ وہ طلسم جو باربروسہ نے برسوں کی عرقریز محنت سے بنایا تھا ٹوٹ چکا تھا اور ساعت ناگزیر سر پر تھی۔ اپریل ۱۸۲۷ء میں گورنر اور فرانسیسی قونصل کے درمیان ایک خفیف سی بات پر نزاع لفظی کی نوبت پہنچی۔ قونصل نے خلاف مراسم شاہانہ برسر دربار بدزبانی کی۔ گورنر نے غصہ سے بیتاب ہوکر ایک پنکھے کی ڈنڈی سے قونصل کی خوب گت بنائی قونصل نے اسکی شکایت اپنی گورنمنٹ سے کی۔ اور گورنمنٹ نے ایک مضبوط جنگی بیڑا گورنر کی گوشمالی کے لئے بھیجدیا۔ دو برس تک فریقین میں سخت کشمکش ہوا کی۔ اور گو اخیر پر پالا اہل الجزائر ہی کے ہاتھ رہا لیکن مغربی دنیا کی سربرآوردہ سلطنتیں جو

فرانس کی مداخلت

فرانسیسی قونصل اور گورنر میں نزاع -

پہلا حملہ

عہدنامہ ایکسلاچیپل کی پابند تھیں آمادہ پرخاش ہوگئیں۔ علاوہ ازیں اثناء جنگ
میں اُس زمانہ کی رسم جنگ کے بموجب فریقین نے ایک دوسرے کی رعایا پر خوب
دل کھولکر ہاتھ صاف کئے جس سے معاندت کی آگ دونی بھڑک اُٹھی۔ اسپر طرہ
(باہمی جنگ کے اسباب) یہ ہوا کہ ۱۸۲۹ء میں ایک فرانسیسی سفیر تصفیہ معاملات کے لئے الجزائر آیا۔ گورنر نے
اُسکو سخت جواب دیکر ناکام رخصت کردیا اور بندرگاہ سے نکلتے وقت اسکے جہاز
پر گولہ باری کی۔ یہ بدسلوکی مراسم سفارت کے خلاف تھی لہذا فرانسیسی گورنمنٹ
(دوسرا حملہ) الجزائر کی بساط اُلٹنے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی اور ۲۶ مئی ۱۸۳۰ء کو ایک نہایت
(غنیم کی قوت) مہیب جنگی بیڑا جو مقدار اور اثر میں چارلس پنجم کے بیڑے سے کہیں زیادہ تھا بسرکردگی
امیر البحر ڈوپرے بندرگاہ تولون سے چلتا کیا۔ اسمیں کئی سو قلعہ شکن توپیں۔ وافر سامان
جنگ بحری و بری۔ چالیس ہزار پیادے اور کئی رسالے تھے۔ اگرچہ ساحل بربر کی
طوفان خیز خاصیت اور پُر پیچ راہ و رسم منزل نے حسب عادت حملہ آورین کی مزاحمت
کی مگر فرانسیسی بیڑا بالآخر ۱۳ جون کو الجزائر کی حد نظر میں داخل ہوکر اگلے دن خلیج تیسدی فرج
میں اطمینان کے ساتھ لنگر انداز ہوگیا۔ پانچویں روز یعنے ۱۹ کی صبح کو فوج جہازوں سے
(محاصرہ) اُترکر شہر کی طرف بڑھنا شروع ہوئی۔ اِدھر سے بربری اور عربی قبیلوں نے چھوٹے
چھوٹے دستوں میں مرتب ہوکر جابجا مزاحمت کی۔ مگر یہ آہنی دیوار سے سر ٹکرانا تھا
سخت نقصان کے بعد پسپا ہوئے محاصرین کی تعداد ۵۰ ہزار سے زیادہ تھی اور
(اہل الجزائر کا مقابلہ) الجزائر والوں کی قوت برسوں وہ ل یورپ کے تھپیڑے سہتے سہتے نہایت مضمحل ہوگئی تھی

پھر بھی انھوں نے اپنی صدیوں کی آزادی کو اس میراث کو جو اُولوالعزم عربوں سے سینہ بسینہ منتقل ہوتی چلی آتی تھی - ایک آخری خونریز کشمکش کئے بدون ہاتھ سے نہیں دیا - فرانسیسی غاصبوں کے گھوڑے انکی لاشوں کو روندرو ندکر شہر کی طرف بڑھنے پاتے تھے جو شخص جسجگہ مقابلہ کرتا تھا وہیں کٹکر ڈھیر ہو جاتا تھا - اگر الجزائر والوں کی فوجی طاقت فرانسیسیوں سے تہائی چوتھائی بھی ہوتی تو الجزائر کا محاصرہ آج اُسی نظر سے دیکھا جاتا جس نظر سے کہ ویانا کا محاصرہ دیکھا جاتا ہے - جب یہ لوگ باہر بندرگاہ اور میدانوں میں محاصرین کے قدم نہ روک سکے تو بالآخر سمٹکر شہر میں محصور ہو گئے وہ شہر جو اس منحوس صدی کے آغاز سے لیکر آجتک صد ہا مرتبہ یورپین توپوں کی زد پر رہچکا تھا - ۴ - جولائی کو بڑی صبح شہر پر آگ برسنا شروع ہوئی اور شام تک لگاتار برستی رہی - اہل شہر نے قلعہ کی فصیل و برج سے دلیرانہ جواب دیے مگر ۱۵۴۱ء کے معرکہ کی طرح دنداں شکن نہ تھے اخیر کو قلعہ ہاتھ سے نکلگیا - مگر ساتھ ہی میگزین کے پھٹنے سے جسمیں محصورین نے چلتے وقت آگ لگادی تھی ہزاروں فرانسیسی کھیت رہے - قلعہ کے بعد شہر کی ساعت ناگزیر آئی - اہل شہر طوفان زدہ مچھلیوں کی طرح سراسیمہ ہو ہو کر کسی خیر الدین اور طرغد کو تلاش کرتے پھرتے تھے گو گورنر نے جہانتک ہو سکا دادِ مردانگی دینے میں دریغ نہیں کیا لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے جب فصیل و برج میں رخنے پڑ گئے تو ہر طرف سے مایوس و مجبور ہو کر اُسنے بالآخر صلح کا پیام دیدیا - اور یہ قرار پایا کہ گورنر اور اہل شہر جان و مال کی حفاظت

ایک تاریخی نظیر

شہر میں محصور ہونا - گولہ باری

قلعہ کی تسخیر

پیام مصالحت

لے لین پول صفحہ ۲۶۰ -

شرائط — کی شرط پر شہر اور قلعہ خالی اور سپرد کردیں چنانچہ ۵ جولائی کی صبح محشر کو عہدنامہ پر دستخط

عہدنامہ — کرکے اور قلعہ کی کنجیاں فاتحین کو سونپ کر گورنر ہمیشہ کے لئے بارِ عظمت سے سبکدوش

عظمت سے سبکدوشی — ہوگیا۔ شہر پر قابض ہوتے ہی فرانسیسیوں نے بدعہدی کی اور گورنر کو عشیرہ اور متعلقین سمیت

فرانسیسیوں کی بدعہدی — اپنے جہاز میں سوار کرکے نیپلز میں لیجا کر قید کردیا[۵۱]۔

ایک ریمارک — فرانسیسی دَور کے آغاز پر الجزائر کے قدیم فرمانرواؤں کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے اور اسکے ساتھ ہی تاریخ اقصائے مغرب بھی تمام ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر تتمہ کے طریق پر الجزائر کے حالات مابعد ہدیۂ ناظرین کئے جائیں تو گو اُنکے مطالعہ سے رقیق القلب اور رحمدل ناظرین کو حزن اور ملال کے سوا اَور کچھ نہیں ملیگا۔ مگر ساتھ ہی اس بات کا اندازہ بھی ہوجائیگا کہ مسیحی دنیا جو آج ترکوں کے طرز حکومت پر نکتہ چینی کرنے کے پیرایہ میں اسلام کے کیرکٹر اور پولیٹکل اصول پر دھبہ لگانے کی کوشش کرتی ہے اُسکی ایک جلیل القدر اور مہتم بالشان قوم کا نیشنل کیرکٹر اور اندازِ حکمرانی کہانتک اچھا تھا۔

تسخیر کے حالات مابعد — ہم تسلیم کرتے ہیں کہ فرانسیسیوں نے فوجکشی اور تسخیر کے وقت اہل الجزائر پر وہ ظلم و ستم نہیں کئے جو اسپین کی کیتھلک گورنمنٹ نے کمبخت اُندلسیوں پر کئے تھے۔ کاش

ایک تلخ حقیقت — مابعد کا طریق عمل بھی یہی ہوتا۔ لیکن افسوس کہ یہ ایک نہایت تلخ حقیقت ہے کہ مغربی دنیا میں صدہا برس رحم و عفو سے حکومت کرنے کے بعد جب اسلام معتوبِ زمانہ ہوکر ایوانِ حکومت سے نکلا تو باستثنائے چند مقامات اُسکو حریفوں کا ظلِ حمایت دنیا میں کہیں نہ ملا

۵۱؎ پلے نٹر کی "عذاب الیم" صفحہ ۳۱۰ تا ۳۲۲۔

فرانس کی دغا

نہیں آیا۔ فرانسیسیوں نے صرف شہر الجزائر کو اس غرض سے لیا تھا کہ اُسکو ایک بحری مقام گردانکر غارتگری قطعاً مسدود کریں۔ لیکن اگلے ہی برس مظفر و منصور فوجیں صوبہ کے اندرونی مقامات کی طرف بڑھنا شروع ہوئیں تمام الجزائر تسخیر کر کے سنہ ۱۸۸۱ء تک صوبۂ ٹیونس کو بھی خونریز تلوار اور غاصبانہ پالیسی کا شکار کر ڈالا۔

الجزائر کے فرمانروا

ان پچاس[۱] برس کے واقعات کی تفصیل سے پائے قلم میں آبلے پڑتے ہیں مدبر۔ عفو گار۔ اور بندہ نواز سویلین کے بجائے۔ الجزائر پر سخت احمق۔ کورعقل اور ناتربیتیافتہ ملٹری افسروں کی حکومت کا "عذاب الیم" نازل رہا۔ یہ تلوار کی آب بدون پولیٹکل عوارض کا ازالہ نکر سکتے تھے۔ انکے ظلم آفریں تہدید سے صدہا شریف بیبیوں کو طلاقیں

ظلم آفریں تہدید اور اُسکے نتائج

ملگئیں۔ ہزاروں عہد و پیمان ٹوٹ گئے۔ رعایا پر دست تظلم دراز کرنے میں یہ نہ مرد و عورت کا لحاظ کرتے تھے اور نہ بچہ اور بڈھے کا۔ نہ انکو تشدد میں باک تھا اور نہ سیاست میں معقولیت۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تسخیر کے تیسرے ہی برس تمام صوبہ اس آہنی شکنجہ سے بلبلا اُٹھا

اسباب بغاوت

اور عربی اور بربری قبیلوں میں یک بیک بغاوت کی آگ بھڑک گئی۔ فرانسیسی گورنمنٹ آئے دن نئے نئے جرنیل بھیجتی تھی جو اپنی نالائقی اور سفاکی کا ثبوت دیکر ناکام چلے جاتے تھے۔ تسخیر اور الحاق تاریخی دنیا کا نہایت معمولی واقعہ ہے لیکن الجزائر کی تسخیر سے فرانس کے دامن تہذیب پر اسقدر گہرا دھبہ لگتا ہے کہ اُندلس کے سوا شاید اَور کہیں اُسکی نظیر نہیں ملیگی۔ کاش فرانس کے آہنی پنجہ جرنیل حکومت شروع کرنے کے ساتھ محکوم کے قومی کیرکٹر

سوء تدبیری

[۱] بین بولی صفحہ ۳۰۴

انکو سمجھنے کی کوشش بھی کرتے۔ اگر ذرا بھی فاتحانہ تحمل۔ فرزانگی اور حسن تدبیر۔ رحم اور انصاف سے کام لیا جاتا تو جو بات چالیس برس کی مسلسل سختیوں کے بعد حاصل ہوئی وہ صرف چار برس میں ممکن تھی۔

بغاوت کے چھوٹے چھوٹے حملوں اور بے ترتیب لڑائیوں سے صوبہ میں ایک طوفان بے تمیزی برپا رہا۔ بوگیڈ۔ پیلیشیر۔ کانروبرٹ۔ سینٹ ارناڈ۔ یسکماہن۔ جیسے فرانسیسی جرنیلوں نے ناحق خون بہائے۔ لوٹنے اور جلا دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور اگر کسی قوم کی مردانہ جسارت۔ استقلال اور اُولوالعزمی ہمکو حیرت و استعجاب میں ڈالتی ہے تو وہ عربی اور بربری قبائل تھے۔ مانا کہ قضا و قدر سے لڑنا عقلمندی نہ تھا لیکن جس دلیری اور جانبازی سے انھوں نے اپنے سے دس گُنی قوت کا مُقابلہ کیا ہمکو مجبوراً اُسکا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ انھوں نے فرانس کی عظیم الشان فوجوں کو شکستوں پر شکستیں دیں۔ بڑے بڑے شہر اُنسے چھین چھین لئے اور اسقدر آڑے ہاتھوں لیا کہ کارآزما جرنیلوں کے چھکے چھوٹ چھوٹ گئے۔ اور فرانسیسی ایوان حکومت جڑ سے ہل ہل گیا۔ لیکن ان شہر آشوبیوں کا باعث کون تھا؟ اہل الجزائر؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ خود فرانس۔ اسلئے کہ اگر سب سے پہلا فرانسیسی جرنیل کلاسل ذرا بھی مذاق ملکداری رکھتا تو لوگ رفتہ رفتہ اس جدید انقلاب کو بطیب خاطر گوارا کر لیتے لیکن افسوس کہ اس کورعقل شخص نے اپنے جابرانہ طریق عمل سے ہر طرف مخالفت کی آگ بھڑکا دی اہل ملک کے دلوں کو جوش انتقام سے بھر دیا۔ اور فاتح و مفتوح کو ایک دوسرے کے

عربوں کا استقلال اور شجاعت

شہر آشوبیوں کا اصلی سبب

خون کا پیاسا بنا دیا[1]۔

عبد القادر
اُسکے مختصر حالاتِ زندگی

اِن خانہ جنگیوں کا گیویشر الجزائر کا ایک مشہور و معروف ہیرو تھا۔ یعنی عبد القادر یہ شہر مسقارا کے ایک قدیم شریف خاندان سے تھا جسکے ممبر الجزائر میں ہمیشہ سے دینی پیشوا چلے آتے تھے۔

کیرکٹر

عبد القادر خود بھی فقیہ۔ پکا دیندار۔ اور حاجی تھا۔ اسمیں تمام باتیں قدیم عربوں کی سی تھیں۔ مہمان نواز۔ فیاض منش۔ راستباز۔ آزادرو۔ اور مزید برین فن سپہگری میں پورا مذاق رکھتا تھا۔ اعلیٰ درجہ کا شہسوار اور دلیر معرکہ آرا۔ اور اِن سب سے بڑھکر قوم پرست اور جاں نثارِ ملک تھا۔ چونکہ عبد القادر بچپن ہی سے ہونہار تھا اور تمام عربی قبائل میں خلوص نظر سے دیکھا جاتا تھا اسلئے گورنر الجزائر اُسکے درپے تخریب ہوگیا اور یہ تھوڑی سی عمر میں

ترکِ وطن

ترکِ وطن کرکے مصر کی طرف چلا گیا۔ چوبیس برس کی عمر میں جب عبد القادر

معاودت

پھر وطن آیا تو اُسنے دیکھا کہ بساط اُلٹ گئی ہے ملک پر ایک غیر قوم قابض ہے اور اُسکے ہموطن سخت مایوس ہیں۔ اُسکا اور اُسکے باپ دادا کا نام ملک میں طلسمی اثر رکھتا تھا چنانچہ اُسکے آتے ہی تمام قبیلے ایک مقناطیسی قوت سے اُسکی طرف کھنچ گئے۔ اور جب اسطرح اُسکی قوت بڑھتے بڑھتے ایک اوسط درجہ کی ریاست کے ہم پلہ ہوگئی تو فرانسیسیوں نے

صوبۂ مسقارا کی حکومت

دفع الوقتی کے طور پر ۱۸۳۲ء میں اُسکو مسقارا کا خود سر حاکم تسلیم کر لیا۔ مسقارا میں جمکر

استحکامِ قوت

عبد القادر نے ایک بڑے جنگ کی تیاری شروع کی اور صرف ایک سال کے عرصہ میں اپنی جنگی قوت کو اسقدر مستحکم کر لیا کہ جب ۱۸۳۵ء میں فرانسیسیوں سے حسب عادت

---

[1] لین پول صفحہ ۳۴۳۔

فرانسیسیوں کی فوجکشی اور ہزیمت

متیجہ کا میدان

ایک پولیٹیکل حیلہ نکالکر مسقارا پر حملہ کیا تو اُنکو اسی نام کے دریا پر سخت نقصان اُٹھاکر پسپا ہونا پڑا۔ پھر ۱۸۳۶ء میں اسنے فرانسیسیوں کی ایک ٹڈی دل فوج کو مطیجہ کے میدان میں ایک اَور شکست دی۔ اِس روزافزوں ترقی سے ڈرکر بیس ہزار کی ایک اَور تازہ فوج منسقارا کا قلع قمع کرنے کے لئے بھیجی گئی مگر اسکو بھی عربی سردار کا لوہا ماننا پڑا۔ پھر تو عبد القادر کی دلیری اور کاردانی کا ہر طرف شور مچگیا حتّٰی کہ ڈیوک آف ولنگٹن بھی حیرت و استعجاب کیے بدون نہ رہ سکا۔ فرانسیس ہر مرتبہ حملہ کرتے تھے اور ہر مرتبہ ہزیمت اُٹھاتے تھے۔ تمام شہر اور قلعے ایک دوسرے کے بعد ہاتھ سے نکلگئے اور اخیر کو دو

عبد القادر کا عروج

تین مقامات کے سوا دروبست صوبۂ الجزائر پر عبد القادر قابض ہوگیا۔ اِسوقت کی حالت دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا قدرت نے اہل الجزائر کی تمام پچھلی خطائیں معاف کرکے پھر ایک مرتبہ باربرسہ کو بھیجدیا ہے۔ لیکن افسوس کہ الجزائر کے زوال کا فتوٰے

فتواے زوال

لکھا جاچکا تھا۔ باربروسہ کے بلند کیے ہوئے ایوانِ حکومت کی بنیادیں ہل گئی تھیں اور یہ عروج کی سی کیفیت صرف ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کا سا سنبھالا تھا۔ چنانچہ ۱۸۴۰ء[۱]

آخری ایلغار

کے اخیر میں فرانسیسی گورنمنٹ نے اسّی ہزار سپاہیوں کا ایک ٹڈی دل بسرکردگی مارشل بوگیٹر بھیجدیا۔ یہ گویا سنگ آمد و سخت آمد کا مضمون تھا۔ عبد القادر کیا بوناپارٹ سا اُولو العزم جرنیل بھی اِس خدائی قوت کا جنگ آزمایا نہ تدابیر سے مقابلہ نہ کرسکتا تھا اور نہ کرسکا۔

الجزائر کی فتح

مارشل بوہی قوت سے ہر شہر پر طوفان کی طرح جھکتا تھا اور اُسکو پامال سفاکی کرکے

۱؎ لین پول صفحہ ۳۰۵ و ۳۰۶

تقدمہ کی تسخیر — دوسرے شہر کا رُخ کرتا تھا۔ حتیٰ کہ عبد القادر کا پایۂ تخت تقدمہ بھی تباہی سے نہ بچ سکا
شہروں پر شہر اور قبیلوں پر قبیلے مطیع ہونے لگے۔ سنہ ۱۸۴۱ء میں مسقارا بھی مسخر ہوگیا۔
مگر عربی جرنیل نے اطاعت قبول نہ کی اور وہاں سے نکلکر مراکو میں چلاگیا۔ اور مراکو سے
عبدالقادر کی آخری کشمکش اور ہزیمت — سنہ ۱۸۴۳ء میں اور پھر سنہ ۱۸۴۵ء میں متواتر دو مرتبہ فوجیں لیکر پلٹا لیکن کامیابی نہوئی۔
سنہ ۱۸۴۵ء سے سنہ ۱۸۴۸ء تک پورے تین برس الجزائر پر قیامت نازل رہی۔ خاصکر جرنیل
پیلیشیر نے بڑے بڑے وحشیانہ ظلم کئے۔ اور پانسو مرد و عورت بچوں اور بوڑھوں کو جو قتل عام
مظالم — سے بچکر کوہستانی غار میں جا چھپے تھے دھوئیں سے گھونٹکر مار ڈالا۔ جب عبد القادر نے
دیکھا کہ تمام تدبیریں اُلٹی پڑتی ہیں۔ قومی ادبار روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ مایوسی کے سوا کوئی
صلح — شکل نہیں۔ تو ناچار صلح کرلی۔ اور سنہ ۱۸۴۷ء میں اس شرط پر اپنے تئیں ڈیوک آمیل کے حوالہ
کردیا کہ اسکندریہ یا نیپلز میں چلے جانے کی اجازت دیجائے۔ لیکن عہد کی پابندی فرانس کے
قومی قانون کی شرط نہیں۔ ڈیوک نے اس نامور شخص کو فرانس کے قیدخانہ میں پانچ
عہد شکنی — برس تک قید رکھا اور طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ آخر لوئیس نپولین نے اتفاقاً یہ حالات سنکر
عبد القادر کی موت — ترس کھایا اور اُسکو رہا کرکے بروسہ میں چلے جانے کی اجازت دیدی۔ تیس برس اسیطرح
اِدھر اُدھر دھکّے کھانے کے بعد عبد القادر سنہ ۱۸۸۳ء میں دمشق میں مرگیا۔ ناظرین کو یہ پڑھکر
حیرت ہوگی کہ وہی عیسائی جنھوں نے اسکی صدیوں کی قومی آزادی کو پامال سفاکی۔ اسکے
ہزاروں برادرانِ اسلام کو تہ تیغ۔ اور خود اُسکو خانہ برباد اور جلاوطن کردیا تھا۔ اس نامور اور
سچے شجاع نے مرتے مرتے بھی اُنکی خدمت سے دریغ نہیں کیا اور دمشق کے سنہ ۱۸۶۰ء

کے قتل عام میں انگو بڑی مدد دی[۱]۔

گو عبد القادر گرفتار اور قید ہو گیا تھا مگر آتش بغاوت اُسی شد و مد پر تھی۔ عربی قبائل رہ رہ کر بغاوت کرتے تھے۔ گرتے تھے اور پھر سنبھلکر مقابلہ پر کھڑے ہو جاتے تھے لیکن ہر مرتبہ فرانسیسی جرنیلوں کے پامال ظلم ہوتے تھے۔ آخر جب نوئش نپولین ۱۸۶۵ء میں الجزائر آیا تو اُسنے عربی قبیلوں کو اطمینان دلایا کہ شخصی جاگیرات اور ریاستوں میں گورنمنٹ کسی قسم کی دست اندازی نکریگی تب کہیں جاکے ملک کو تسکین ہوئی۔ لیکن یہ حالت نپولین ہی تک قایم رہی چنانچہ اسکے برطرف ہوتے ہی فرانس کی گورنمنٹ میں ضعف آگیا۔ قبیلوں پر پھر وہی ظلم ہونے لگے اور انھوں نے پھر وہی سرکشی اور طغیانی اختیار کی۔ اور جوش سے مبہوت ہو کر اپنے پہاڑی مقامات سے بلائے بے درماں کی طرح فرانسیسیوں پر آپڑے۔ اِدھر جنرل ڈوریو نے پھر وہی خون آشام تلوار ہاتھ میں پکڑی اور پھر وہی قتل عام اور غارتگری شروع ہوئی۔ اور پانچ برس تک الجزائر ایک ظلمتکدہ بنا رہا۔ آخر کار جب ۱۸۷۰ء میں فرانس کا پولیٹیکل اسٹیج منقلب ہوا اور جمہوری گورنمنٹ قایم ہوئی اور الجزائر میں انگھڑ سپاہیوں کے بجائے مدبر اور تہذیب یافتہ سولین بھیجنا شروع ہوئے۔ تب کہیں جاکر ملک میں امن ہوا۔ شروع سے آخر تک فرانسیسیوں کے پچاس ہزار آدمی کھیت رہے۔

جب الجزائر میں فرانس دخیل ہوا تو برٹش گورنمنٹ نے عہدنامہ ایکسلاچیپل کے مطابق اُس سے بازپرس کی تھی۔ اور اُدھر سے یہ جواب ملا تھا کہ صرف شہر الجزائر پر براے

[۱] لین پول صفحہ ۲۰۰ اور تاریخ مارگن۔

بغاوت کا فوری انسداد

سرکشی

فرانس کی پالیسی پر ایک سرسری نظر

چند سے قبضہ کیا جاتا ہے تاکہ مسیحی دنیا کو "عذاب الیم" سے نجات ملے۔ لیکن اسکے تھوڑے ہی دن بعد مستقل اور دائمی قبضہ کا اعلان دیکر فرانس نے فوجی حکومت قایم کرلی۔ پھر بھی اس بات کا یقین دلایا کہ فرانسیسی مداخلت صوبۂ الجزائر کی حدود سے متجاوز نہوگی لیکن افسوس کہ زبان سے اقرار کرکے پھر جانا اور اطمینان دلادلا کر آشفتہ کرنا یورپ کا قدیم شعار ہے آج سنہ ۱۹۰۰ء میں چین میں جو غاصبانہ انداز روس کا ہے۔ وہی بیس برس پہلے فرانس کا طریق عمل بربر میں تھا۔ اور ابھی تک ہے۔

الجزائر پر قابض ہوکر بھی فرانس کی حرص بیجا کو تسکین نہوئی۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں اسکا غاصب ہاتھ رفتہ رفتہ ٹیونس کے عنانِ حکومت کی طرف بڑھنا شروع ہوا۔ حالانکہ ٹیونس میں کوئی معقول وجہ دست اندازی نہ تھی۔ لیکن جہاں پرخاش کے لئے کوئی معقول حجت نہیں ہوتی وہاں یورپ کے مدبر پولیٹیکل حجت نکال لیا کرتے ہیں چنانچہ ایم تھیوڈور روسٹن نے اسی قسم کی حجتوں سے ٹیونس کے ایوانِ حکومت کے گرد جال اتمنا شروع کیا۔ اور ترکی گورنر محمد الصادق کو ایسی شرائط کا پابند کرنا چاہا جو بابعالی کے شاہانہ حقوق کے لیے مضر تھیں۔ گورنر نے اس سے انکار کیا اور اسکا وہی نتیجہ ہوا جو قدرتی طور پر ہونا چاہیئے: اگر ایک تیز نوکیلا فولادی برما کسی نرم لکڑی پر مسلسل اور بے روک چلتا رہے تو انجام کار لکڑی میں رخنہ پڑ جائیگا۔ اسیطرح اگر کوئی زبردست مگر بے اصول گورنمنٹ کسی زیردست مگر مستبانہ ریاست پر اپنی غاصبانہ پالیسی کا عمل چپکے چپکے جاری رکھے۔ اور کوئی ہمسر طاقت مزاحمت نہ کرے تو بالآخر اسکو لے ڈالیگی ٹیونس کا بھی یہی حشر ہوا۔ مواد تو پہلے ہی سے پفنچ پا رہا تھا

ٹیونس میں مداخلت بیجا

نوچکشی کا حصہ

سنہ ۱۸۸۱ء میں صوبۂ مذکور کے اُن سرحدی اضلاع میں جو الجزائر سے ملتے تھے کچھ خفیف سی شورش ہوئی اور ایم اوسٹن اپنی پوری فوجی قوت لیکر فی الفور ٹیونس پر چڑھ گیا۔ مظلوم محمد الصادق نے ہرچند یقین دلایا کہ "فساد فرو ہوگیا ہے۔ اب آپ کی دست اندازی کی ضرورت نہیں" اخیر پر دول یورپ سے فریادیں کیں لیکن ایک پیش نہ گئی۔ برٹش گورنمنٹ نے گو فرانس سے باز پرس کی مگر اُدھر سے وہی ڈپلومیٹک جواب ملا کہ "الجزائر اور ٹیونس کے درمیانی اضلاع میں جو لڑائی چھڑنیوالی ہے اُس سے صرف یہ مقصود ہے کہ ٹیونس کے سرکش قبیلے جو آئے دن الجزائر کی سرحد پر ترکتازیاں کرتے رہتے ہیں اُنکی قرار واقعی سرکوبی کیجائے۔ محمد الصادق کے نیم خودمختارانہ حقوق اور صوبۂ ٹیونس کے حدود کا ہر طرح لحاظ رہیگا" اور مزہ یہ کہ لارڈ گرنیول وزیر دول خارجہ اس جواب پر نازاں ہی رہے اور فرانسیسی فوجیں ٹیونس کی طرف بے تکلف بڑھکر ۲۶۔ اپریل تک کیف اور تبارکہ پر قابض ہوگئیں جھیل بزرطہ پر فرانسیسی جھنڈا لہرانے لگا۔ جرنیل بریرٹ نے تمام علاقہ آگ اور تلوار سے برباد کرکے اور گورنر کے محلسرا پر گولہ باری کرکے ۱۲۔ مئی کو عہدنامہ قصر السعید پر جبراً دستخط کرا لئے[1]۔

الصادق کی سفارت

گورنمنٹ فرانس کا جواب

ٹیونس کا فتح

ٹیونس میں بغاوت

اگرچہ محمد الصادق اور اسکے انتقال پر سیدی علی دونوں ایم اوسٹن کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنگئے۔ لیکن اہل ٹیونس نے اطاعت قبول نہ کی۔ اور تمام جنوبی اضلاع میں کھلی بغاوت پھیلگئی۔ اور کچھ دنوں وہ طوفان بدنظمی برپا رہا کہ فرانسیسی منتظم مایوس ہوکر

---

[1] مسٹر اے بیئم براڈلے کی تاریخ ٹیونس میں نہایت تفصیلی حالات درج ہیں۔

فرانسیسیوں کے مظالم

بیٹھ رہے۔ لیکن پھر کچھ سنبھلکر اُٹھے اور سفاکس پر بلائے بیدرمان کی طرح ٹوٹ پڑے۔ شہر پر بیدریغ گولہ باری کی۔ گھروں کو لوٹ کر جلادیا۔ یا سرنگیں لگاکر گھروالوں سمیت باروت سے اُڑادیا۔ کوچہ و بازار مذبح سے بدتر بنگئے۔ اخیر پر اہل سفاکس کی آتش انتقام بھی بھڑک اُٹھی اور اب دونوں طرف سے مظالم شروع ہوئے۔ فریقین نے وحشی درندوں کی طرح ایک دوسرے پر رہ رہ کر حملے کیے۔ سیکڑوں ہزاروں بیگناہ مردوں عورتوں کو ذبح کرڈالا۔ قلعبند چوکیوں سے باہر تمام علاقہ تلوار کا کھیت۔ بیرحم لٹیروں کا جولانگاہ۔ اور میدان قیامت کا نمونہ بنگیا۔ مگر اگلے برس ٹیونس والوں کی خوش نصیبی سے گورنر اوسٹن واپس بلالیا گیا۔ اُسوقت سے کسیقدر امن ہے۔ ایم ہنری ڈی راجیفورٹ نے بغاوت کے خاتمہ پر اپنی رپورٹ میں درست لکھا تھا کہ " فرانسیسیوں نے ٹیونس کی مہم کو ایک بات سمجھا تھا مگر یہ غلط فہمی تھی۔ ٹیونس کی فتح حقیقت میں کُھلی رہزنی اور خونریزی تھی۔ اہل ٹیونس اسکو کبھی نہ بھولینگے "

زشرح قصۂ من رفتہ خواب ازچشم خاصاں را
شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ میخیزد

حامد علی صدیقی سہارنپوری

بقلم احقر العباد غلام رسول کاپی نویس پنجابی غفرلہٗ

ضروری اطلاع

اقصائے مغرب کا حق تالیف پانچ برس کے واسطے مطبع روزانہ اخبار دہلی نے خرید لیا ہے۔ اس عرصہ میں اصل مؤلف کو کتاب ہذا کے بجنسہ یا کسی تغیّر و تبدل سے خود چھاپنے یا کسی کو اجازت دینے کا حق نہیں ہے۔ جس کسی کو خریداری منظور ہو دفتر روزانہ اخبار دہلی سے طلب کر لے+

مینجر روزانہ اخبار
مقام دہلی